سلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدل الاشتراک
سالانہ
پاکستان -170 روپے
غیر ممالک -800 روپے

ٹیلیفون : 5714546/5753666
Idara@toluislam.com
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ
15/-
روپے

جلد 53 — اکتوبر 2000 — شمارہ نمبر 10

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت
ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)
: ——— :
اکاؤنٹینٹ : مرزا زمرد بیگ
سرکولیشن مینجر و کمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ
چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- اقبال ادریس
ناشر :- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران
عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور —— فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
ذات انسانی، علم نفسیات اور قرآن حکیم	محمد اشرف ظفر	7
نشان منزل	ڈاکٹر شبیر احمد، فلوریڈا	18
انسان کا سب سے بڑا مسئلہ	ڈاکٹر منصور الرحمٰن	19
کردار سازی	سلطان محمود	23
درود کا قرآنی مفہوم	(الاشعری)	28
تذکرہ ایک معروف کتاب کا	علی محمد چدھڑ	33
تکلف بر طرف	منظور احمد خان	40
آزاد مملکت کی ضرورت	ناصر عالم	46
حقائق و عبر	ادارہ	48
نقد و نظر	عاطف طفیل	51
باب المراسلات	ڈاکٹر شبیر احمد	52

ENGLISH SECTION

1- **Actions Depends upon Intentions** 53
By Hamid Mian MD (New York)

2- **Aging, Health and Mental Illness** 59
By Dr. Ali Naseer Abbasi

3- **For the Kind attention of the Chief Executive of Pakistan** 64
By Dr. Syed Abdul Wadud

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

کہا جاتا ہے کہ پاکستان کا تحفظ سب سے مقدم ہے۔ اس سے کس صحیح العقل انسان کو انکار ہو سکتا ہے؟ اس سے زیادہ گراں بہا متاع اور کونسی ہو سکتی ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ پاکستان سے مراد کیا ہے؟ اگر پاکستان سے مراد ہے فقط یک خطۂ زمین جو چاروں طرف سے جغرافیائی حدود سے گھرا ہوا ہے' تو اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ خطۂ زمین مقصود بالذات ہے' یا کسی بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک خطہ زمین' خواہ وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو' کبھی مقصود بالذات نہیں ہو سکتا۔ اس کی قیمت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس خطۂ زمین میں ایک قوم اپنی مملکت قائم کرتی ہے۔ مملکت بھی مقصود بالذات شے نہیں۔ یہ بھی کسی اور مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔ عام انسانوں کے نزدیک اپنی مملکت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ افراد مملکت کی خوشحالی اور خیر سلامتی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس سے دنیا کی نگاہ میں ان کا وقار قائم ہوتا ہے اور اس طرح وہ عزت اور طمانیت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ قرآن کا حامل مسلمان اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔ اس کے نزدیک اپنی مملکت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اُس نظامِ عدل و ربوبیت کے قیام کا ذریعہ بنتی ہے جو قوانین خداوندی کی رو سے متشکل ہوتا ہے اور جس میں افراد انسانیہ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** کی جنت میں بستے ہیں۔ کسی خطۂ زمین کا تحفظ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس سے یہ مقاصد وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ بنیاد ہوتی ہے ایک عمارت کی۔ پٹڑی ہوتی ہے ایک گاڑی کے چلنے کی۔ عمارت کے بغیر' بنیاد کی قیمت کیا ہے؟ گاڑی کے بغیر پٹڑی کی حفاظت کے کیا معنی ہیں؟ گودی میں کھڑا جہاز سب سے زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن کیا جہازوں کو گودیوں میں کھڑا رکھنے کے لئے بنایا جاتا ہے؟ لہٰذا پاکستان کے استحکام سے مقصود یہ ہے کہ یہ ہمارے تصوراتِ حیات اور نظریاتِ زندگی کی کہکشاں گیر عمارت کی بنیاد ہے۔ یہ بنیاد ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم نے اسے جان دے کے پایا' اور مر مر کے بسایا ہے۔ ہم اپنے خون سے اس کی حفاظت کریں گے لیکن اس بنیاد پر کوئی عمارت بھی تو بنے! پاکستان کی 53 سالہ زندگی پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ اس بنیاد پر کوئی ایک ردّا بھی کہیں رکھا گیا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ ملک میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کے ہاں دولت سیلاب کی طرح امنڈے چلی آرہی ہے۔ حتیٰ کہ اب ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دولت کو کریں کیا؟ لیکن قوم' اس طبقے کا نام تو نہیں۔ قوم تو ان سے الگ کہیں اور بستی ہے! بستی کا ہے کو ہے' زندگی کے سانس گن رہی ہے۔ لیکن اس طبقے کے محلات اس قدر بلند ہیں کہ وہاں سے نیچے فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑنے والی قوم دکھائی تک بھی نہیں دیتی۔ دولت کی فراوانی سے کوئی عیب ایسا نہیں جو ان کی سوسائٹی میں حسن نہ بن چکا ہو' کوئی برائی ایسی نہیں جس کا لائسنس عام نہ ہو چکا ہو۔

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان میخانہ' ہر کوئی بادہ خوار ہو گا

"اربابِ شریعت" سے اس طبقے کا ساجھا ہے اور اس کی وجہ سے یہ حضرات بھی اس ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہے ہیں کہ تشکیل پاکست[ان]
سے پہلے وہ ان کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ انہیں اب وہ سب کچھ میسر ہے (کوٹھیاں، ٹیلی فون، موٹریں، فیکٹریاں
جنہیں اس سے پہلے، یہ للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اور اپنی ہوسِ ناکام کی تسکین کے لئے، ان چیزوں کو "دنیا کے کتوں
کا حصہ بتایا کرتے تھے۔ ان میں سے جس کے حصے میں کچھ کمی ہو جاتی ہے وہ اربابِ ثروت و اقتدار کی پارٹیوں کی شراب اور ان کی
بیویوں کی بے پردگی کو چوراہے میں اچھالتا ہے اور جب اس کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر برسرِ منبر گنگنانا شروع کر دیتا ہے کہ

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں
ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں

اور اس کے بعد، جس طرح اس سے پہلے، اسکولوں کے بچے "برکاتِ عہدِ انگلشیہ" کی تفاصیل دہرایا کرتے تھے، یہ حضرات
دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی مملکت کی "اسلامی خدمات" کی فہرست گنانا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً، قراردادِ مقاصد پاس کرنے سے
یہ مملکت مسلمان ہو گئی ہے۔ رمضان شریف میں ہوٹلوں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ تراویح کی نماز کے لئے بدھنے
اور مصلے بہم پہنچا دیئے جاتے ہیں، رمضان میں دفاتر کے اوقات میں تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ جمعے کے مبارک دن کو دفاتر بارہ بجے
بند کر دیئے جاتے ہیں۔ محرم میں ریڈیو پر گانے کے ساتھ ساز نہیں بجائے جاتے۔ کسی بڑے آدمی کی وفات پر ریڈیو سے مسلسل
قرآن خوانی ہوتی رہتی ہے۔ ریڈیو کی عمارت میں قرآن کریم کی آیت (قولو اللناس حسنا) نہایت جلی حروف میں لکھی گئی
ہے۔ ریلوے اسٹیشنوں پر قبلے کا رخ دکھانے کے لئے تیر کے نشانات لگا دیئے گئے ہیں۔ ریڈیو پر ہر صبح قرآن کریم کا درس دیا جاتا
ہے (جس میں واو کے معنی اور بتائے جاتے ہیں)۔ عید میلادالنبیؐ کی تقریب سرکاری طور پر منائی جاتی ہے۔

اب اور چاہتے کیا ہو؟ ________ پیمبری مل جائے!

قوم۔ وعظ سنتی ہے اور "یااللہ تیرا شکر" کہہ کر پھر فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑنے لگ جاتی ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ کیا یہی تھی وہ عمارت جس کے لئے سرزمین پاکستان کو بطور اساس و بنیاد حاصل کیا گیا تھا؟ کیا یہی تھا وہ مقصد جس
کے لئے مسلمان نے اسے جان دے کے پایا اور مر مر کے بسایا تھا؟ کیا یہ بعینہٖ وہی کچھ نہیں جو مسلمانوں کے دیگر ممالک میں ہو رہا
ہے۔ اگر یہ وہی کچھ ہے تو کیا یہاں بھی اس کے نتائج وہی کچھ نہیں نکلیں گے جو ان ممالک میں برآمد ہو چکے ہیں اور جن کی وجہ
سے وہ دنیا کی زندہ قوموں میں کسی قطار اور شمار میں ہی نہیں۔ وہاں بھی یہی کیفیت ہے کہ ایک طبقہ سب کچھ سنبھالے اور سمیٹے
ہوئے ہے اور باقی قوم کیچڑ کے کیڑوں کی طرح رینگتی ہوئی زندگی کے دن پورے کر رہی ہے؟ یہ سب کچھ اسلامی ممالک کی شان
ہے۔ ان کے برعکس، دنیا کے ملحدوں اور بے دینوں کے ممالک کو دیکھئے۔ ان میں سے بھی اس کی مثال لیجئے (یعنی انگلستان کی) جسے
سرمایہ داروں کا ملک کہا جاتا ہے۔ وہاں کوئی بیکار ایسا نہیں جس کا روزینہ مقرر نہیں۔ کوئی بیمار ایسا نہیں جس کا مفت علاج نہیں ہوتا۔
کوئی بچہ ایسا نہیں جس کی پرورش اور تعلیم کا انتظام نہیں۔ کوئی بوڑھا ایسا نہیں جس کی پنشن متعین نہیں۔ دولت وہاں بھی اوپر ہی
کے طبقے میں گردش کرتی ہے، لیکن بایں ہمہ نیچے کے طبقے کا کوئی فرد نہیں جو ضروریات زندگی سے محروم رہ جائے۔ یہ تو مغرب کی
کیفیت ہے۔ اب اسی قسم کے ملحد اور بے دین، ایک مشرقی ملک کو لیجئے اور وہاں، طبعی ضروریات نہیں، بلکہ اخلاقی معیار کو دیکھئے۔
(ہمارے ایک دوست نے، جو ابھی ابھی جاپان سے آئے ہیں بتایا کہ وہاں) کوئی شخص جانتا ہی نہیں کہ جھوٹ بولنا کسے کہتے ہیں! وہاں
کسی کی کوئی چیز چوری نہیں کی جاتی۔ وہاں ریلوں میں کوئی ٹکٹ ہی نہیں پوچھتا کیونکہ وہاں کوئی شخص بلا ٹکٹ سفر نہیں کرتا۔ ان
کے لغت میں گالی کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ یہ ملحدوں اور بے دینوں کے ممالک ہیں۔ ان کی طرف دیکھئے اور ________
بازبخویشتن نگر۔

آپ یہ سب کچھ سننے کے بعد کہدیں گے کہ

کچھ ہوش میں آنے کی مرے شکل بھی ناصح!
یہ میں بھی سمجھتا ہوں مجھے ہوش نہیں ہے

"ہوش میں آنے کی شکل" نہ وزارتوں سے پیدا ہو سکے گی نہ کابیناؤں سے۔ نہ یہ ملا کے حجروں سے ابھرے گی نہ شیخ طریقت کی خانقاہوں سے۔ اس کی ابتداء (جیسا کہ ہم شروع سے کہتے چلے آرہے ہیں) درسگاہوں سے ہو گی۔ قرآن نے اس کی شکل یہی بتائی ہے جب اس نے کہا کہ نظام ربوبیت کے قیام کی صورت ہے **بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون**۔ ضابطہ قانون خداوندی کو سمجھنا اور سمجھانا اور اسے اس قدر دہرانا کہ یہ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ جو لوگ اس طریق کار کی اہمیت پہچانتے ہوں وہ کچھ وقت کے لئے تصور کر لیں کہ ابھی ہم پہلے دور ہی میں ہیں۔ وہ سرسید بنکر اٹھیں اور ملک میں دوچار ایسی درسگاہیں قائم کر دیں جن میں قرآن کی تعلیم دی جائے۔ ملا کے قرآن کی نہیں' اللہ کے قرآن کی جو انسان کو صرف تسخیر ارض و سموات کے راز ہی نہیں بتاتا بلکہ اس پر اقطار السموات والارض سے آگے نکل جانے کی راہیں بھی کشادہ کر دیتا ہے۔ ان متحجر انسانوں کو چھوڑ دو کہ جنہوں نے جو کچھ بننا تھا بن چکے۔ اپنی تمام توجہات مرکوز کر دو ان سیال قلوب پر (یعنی آنے والی نسلوں پر) جنہیں تم جس قالب میں ڈھالنا چاہو ڈھال سکتے ہو۔ اس سرزمین کی حفاظت کا انتظام رکھو اور اس متاع عظیم کے امین تیار کرنے کے لئے درسگاہیں تیار کرو۔ ہم میں قرآن سکھانے والے موجود ہیں۔ قرآن سیکھنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ بس ان دونوں میں رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ رابطہ درسگاہوں سے پیدا ہو سکتا ہے۔ ملک کے مختلف خطوں میں اقامتی درسگاہیں تعمیر کر دی جائیں جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت و پرورش کا سارا انتظام موجود ہو۔ دس پندرہ برس تک' نہایت خاموشی سے ان درسگاہوں کو مصروف تعلیم و تربیت رہنے دو۔ اس کے بعد دیکھو کہ ان میں سے کس قسم کے شہباز نکلتے ہیں۔ اسی قسم کے شہباز کہ۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سیاستدانوں کے ہنگامے انہی کے حوالے کر دو۔ بزنس والوں کو چور بازاری کی بھول بھلیاں میں الجھا رہنے دو۔ ملا کو' قوم کی عاقبت سنوار کر اپنی روٹی کمانے کے دھندے میں لگا رہنے دو۔ یہ سب میدان ان کے لئے چھوڑ دو اور تم قوم کے بچوں کو سنبھال لو۔

لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے
بس اک تبسمِ عاجز نواز رہنے دے

تم دیکھو گے کہ آخر الامر ان سب کی متاع کاسد ثابت ہو گی۔ ان کے کاروبار میں نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔ ان کی کھیتیاں جھلس کر رہ جائیں گی۔ لیکن جس تخمِ صالح کی تم آبیاری کرو گے وہ ایک دن ایسا تناور درخت بن جائے گا جس کی شاخیں فضائے عالم میں مسرتوں کے جھولے جھول رہی ہوں گی۔ **کشجرۃ طیبتہ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء** (14:24)۔ قوم وہی زندہ رہ سکتی ہے جو مفادِ عاجلہ (دنیا۔ پیش پا افتادہ مفاد) پر' مستقبل کی خوشگواریوں کو ترجیح دے۔ **وبا لاخرۃ ھم یوقنون۔ اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون** (2:4-5)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

علامہ پرویز سے متعلق

علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی کے تاثرات

حیدر آباد میں بزمِ طلوع اسلام کے ذیلی کنونشن (منعقدہ نومبر 1960ء) کے موقعہ پر علامہ غلام احمد پرویز کے خطاب کے بعد صدرِ جلسہ علامہ آئی۔ آئی قاضی سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی نے ایک مختصر تقریر کی تھی۔ علامہ قاضی کا اس سرزمین (سندھ) کے رہنے والوں کے دل میں جو مقام ہے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے اس تقریر میں پرویز صاحب کو جو خراجِ تحسین پیش کیا وہ ان ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے :

"میں اس مجمع کے سامنے اپنی ذاتی شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مرد درویش (پرویز صاحب) پچیس تیس برس سے مسلسل قرآن کی آواز بلند کر رہا ہے۔ ایسی آواز جو کسی اور جگہ سے ہمارے کانوں میں نہیں پڑتی لیکن قوم ہے کہ جاگنے کا نام نہیں لیتی۔ میری آپ سے ایک ہی نصیحت ہے اور وہ یہ کہ یہ شخص جس قرآنی طریق کی آپ کو دعوت دے رہا ہے' اگر آپ نے اس کا اتباع کر لیا تو آپ کو موجودہ مصائب سے نجات مل جائے گی۔ قرآنی راستے کے علاوہ نجات و سعادت کی کوئی راہ نہیں۔"

(بحوالہ طلوع اسلام' نومبر 1960ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اشرف ظفر' لاہور

ذات انسانی' علم نفسیات اور قرآن حکیم

جب ہم کسی سے کوئی وعدہ کرتے ہیں تو اس کئے گئے وعدہ کی پختگی کے اظہار کی خاطر اپنے مخاطب سے اکثر یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ فکر نہ کریں میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ یقینی طور پر سچ ثابت ہوں گے۔ لہٰذا آپ میری طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔

انسانی ذات کے سلسلہ میں ایک اہم سوال:- مندرجہ بالا تحریر میں ایک بات بڑی اہم اور غور طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کے اندر یہ بولنے والی قوت جس نے اپنے اظہار کے لئے نطق کا سہارا لیا ہے وہ "میں" بذات خود کیا ہے۔ اس کے خدوخال کیا ہیں اور اگر اسے محسوس شکل میں دیکھنا مقصود ہو تو اس کی صورت کیا ہو گی؟ کیا وہ اپنے آپ کو کسی جسمانی شکل میں ظاہر کر سکتی ہے۔ یہ اور اسی قسم کے کئی دیگر سوالات ذہن انسانی میں اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ انسان محسوسات کا پیکر واقع ہوا ہے۔ اس کی تو کیفیت یہ ہے کہ اور تو اور یہ تو ذات خداوندی کو بھی اپنے سامنے محسوس شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ چہ جائیکہ خود انسان کے اندر یہ بولنے والی شے جو خود اسے مضطرب کئے ہوئے ہے اس کی حقیقت بھی اس کی نظروں سے اوجھل رہے۔

یہ بنیادی سوال اور حقیقت پسندانہ سوچ اپنی جگہ نہایت اہمیت کی حامل ہے اور جواب چاہتی ہے۔ غالباً" یہی وجہ ہے کہ مادیت کے گہرے سمندر میں جہاں انسان شب و روز اپنی پوری توانائی کے ساتھ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو مسخر کرنے میں ہی مصروف کار ہے۔ وہاں اس کے ساتھ ساتھ آج کی انسانی عقل اس "میں" کی اصلیت اور حقیقت کو جاننے کے لئے بھی بے تاب نظر آتی ہے۔ سو اس سلسلہ میں ہمارا خیال ہے کہ اگر انسان کا شوق آگہی اپنا یہ سفر مادی کامرانیوں سے پہلے شروع کر لیتا یہ جاننے کے لئے کہ بشری پیکر میں چھپی ہوئی اس "میں" "انا" یا خودی یا ذات کی اصل کیا ہے؟ تو انسان کے ہاتھوں گیسوئے کائنات کو سنوارنے' اسے روشن کرنے اور تابناک سے تابناک بنانے کے عمل میں صدیوں پہلے اس قدر تیزی آچکی ہوتی کہ جسے دیکھ کر فرشتے بھی بے ساختہ پکار اٹھتے کہ اے بار الٰہی۔ اے خدائے رحیم و کریم تو نے انسان کو اختیار و ارادہ کی لازوال نعمت سے سرفراز کرتے وقت سچ ہی کہا تھا کہ تم اس انسانی مخلوق اور آب و گل کے اس پیکر کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں۔

سو انسانی جسم میں چھپی ہوئی اس "میں" کی یہی وہ اہمیت ہے کہ جس کی اصلیت کو جاننا اور سمجھنا عام انسانوں کے علاوہ ایک نفسیات کے طالب علم اور معالج کے لئے اور بھی ضروری ہو جاتا ہے تاکہ یہ نفسیاتی معالج بڑی دانش مندی' پائیداری اور خوبصورتی کے ساتھ جنگ و جدل سے بھرپور اس کرہ ارض کے بحر و بر کو جہاں آج ہر سو خوفناک خون آلودہ درندگی کا منظر دکھائی دیتا ہے اسے ایک ایسے جہان نو میں تبدیل کر سکے کہ جسے آسمانی آنکھ صدیوں سے دیدہ کور لئے منتظر دیدار بیٹھی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس انسانی "میں" ذات یا انا کی اہمیت کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود کوئی آخری انسان بھی یہ دعویٰ نہ کر سکے گا کہ وہ بشری پیکر میں پنہاں اپنی اس "میں" کو

جسم خاکی سے جدا کر کے اسے کسی ظاہری شکل میں دیکھ سکتا ہے یا دکھا سکتا ہے لہٰذا ہمارے خیال میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ "میں" جسم خاکی کی ایک ایسی قوت ہے جسے انسان دیکھنے کی بجائے صرف سمجھ سکتا ہے یا محسوس کر سکتا ہے اور یہ "میں" وہ "میں" ہے کہ جو طبعی زندگی میں اس جسم خاکی کے اندر ہر تین سال بعد مکمل طور پر بدل جانے کے باوجود باقی ہی نہیں رہتی بلکہ موت کا فرشتہ بھی اس کو موت نہیں دے سکتا۔ بقول علامہ اقبالؒ کہ

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اس "میں" کی حقیقت:- قدرت نے اس "میں" کا ادراک حاصل کرنے کے لئے انسان کو جذبات و احساسات اور اختیار و ارادہ کی نعمت عظمیٰ سے نوازا جبکہ ان تمام احساسات و جذبات کا تمام تر انحصار دنیائے نفسیات ہی سے عبارت ہے سو اگر اس نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو ہر انسان کی یہ "میں" اپنی اپنی جگہ مکمل طور پر انفرادی حیثیت میں ایک نفسیاتی پیکر اختیار کئے ہوئے ہے جبکہ یہ دنیائے نفسیات اپنے اندر کئی ایک پہلو رکھتی ہے چنانچہ اس تسلسل کے تحت اب ہمیں دیکھنا یہ ہو گا کہ یہ حضرت انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی اس "میں" کو خود اپنے اور دوسروں کے سامنے پیش کرتے وقت کون سا پہلو، کون سا پیٹرن اور کونسا روپ اختیار کرتا ہے۔

انسانی ذات کے نفسیاتی پہلو:- آج اس حقیقت سے ہر ذی شعور بخوبی واقف ہے کہ نفسیاتی مریض کی مختلف حرکات و سکنات دوسروں کے لئے کس قدر تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں اور پھر اس نفسیاتی کمزوری کو رفع کرنے کے لئے متعلقہ افراد کو کن کن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے لہٰذا سوال یہ ہے کہ اگر کہیں پوری پوری اقوام، نسل در نسل نفسیاتی امراض کا شکار چلی آ رہی ہوں تو پھر اس کے نتیجہ میں دلوں کو لپیٹنے والی آگ کے تند و تیز شعلوں کو کون ٹھنڈا کرے؟ اور کس طرح کرے؟ جبکہ ان نفسیاتی بیماریوں کا یہ جلاپا صدیوں تک آنے والی نسلوں کے لئے بڑے کٹھن اور طویل جدوجہد کے سفر کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک ہمارے دور کا تعلق ہے تو حالت اس کی یہ ہو چکی ہے کہ کرہ ارض کے کونے کونے میں بسنے والا ہر شخص اپنی ناگفتہ بہ حالت کے باعث حسرت بھری نگاہوں سے پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ۔

دوروں تے ہر بازار وچ جھنڈاں دے جھنڈ سن جاپدے
جد نیڑے ہو کے ویکھیا ہر بندا کلا سی شہر دا

سو آج کی اس حالت زار کے پیش نظر ہم پر لازم ہے کہ دیکھیں کہ آخر وہ کون کون سے انفرادی اور اجتماعی نفسیاتی امراض ہیں کہ جو آج افراد سے لیکر نسلوں تک اور نسلوں سے لے کر قوموں تک کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ نیز آج کے دانشور کو یہ بھی معلوم کرنا ہو گا کہ آخر کار کیا ان مہلک امراض کا کوئی شافی علاج بھی ہے؟ اور اگر ہے تو کیا ہے؟ اور کہاں سے ملے گا؟ اور کیونکر حاصل ہو گا؟۔ لہٰذا قبل اس کے کہ ہم اس علاج کی طرف رجوع کریں کیوں نہ ہم پہلے ان دیرینہ نفسیاتی بیماریوں کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لے آئیں جو کچھ اس طرح ہیں۔

مختلف نفسیاتی بیماریوں کا ذکر:- فریب، حسد، بغض، عناد، رعونت، بداعتمادی، غصہ، لالچ، بدکرداری، بے رخی، عیش پسندی، خود نمائی، خوشامد پرستی، خوشامد گری، اذیت پسندی، خوف و ہراس، تقلید پرستی، منافقت، نمود و نمائش کا جنون، غور و فکر کی پسماندگی، مداخلت بے جا، کھوج پسندی، راز افشائی، خیانت، پردہ دری، حقیقت نا آشنائی، مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی، جمود، اکھڑپن، انصاف سے بے اعتنائی، کم ظرفی، تنگ نظری، ترش مزاجی، سخت گیری، بے روح زندگی، فضول خرچی، نشہ بازی اور آخر کار افسردگی، پژمردگی جیسی کئی ایک قباحتوں کا پیدا کردہ وہ دوزخی ماحول جہاں نہ زندگی ہوتی ہے اور نہ ہی موت۔ (1) جہاں تک پاکستانی معاشرے کا تعلق ہے تو ایک سروے کے مطابق " پنجاب کی 29 جیلوں کے 40% قیدیوں کی جرائم کی شروعات گالی گلوچ سے ہوئیں۔ یہاں اونچی آواز میں بولنا، سرعام کھانا اور روز

بات چیت میں گندے الفاظ کا استعمال "ثقافت" بنتا جا رہا ہے۔ پاکستانی اور خصوصی طور پر پنجابی معاشرے کی بعض معاشرتی عادات توجہ طلب ہیں۔ تفریح گاہوں میں دھکم پیل کرنا' لوگوں کا تمسخر اڑانے کے لئے غلط القابات لگانا ہماری نفسیاتی حالت کا مظہر ہے۔ پروفیسر اظہر رضوی کا کہنا ہے کہ جب ایک فرد مایوس' ڈپریس یا ناکامی سے دوچار ہوتا ہے تو وہ چڑچڑا ہو کر دوسرے شخص کو گالیاں بکتا ہے۔ من حیث القوم نفسیاتی طور پر خود اعتمادی کی کمی ہوتی جا رہی ہے۔ (بحوالہ روزنامہ دن مورخہ (18-2-2000)' لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ برحق ہے کہ یہ درجنوں نفسیاتی کمزوریاں جن میں سے ہر ایک اپنے اندر ایک تحقیقاتی دنیا لئے ہوئے ہے ان کا کھوج لگانے کی خاطر کوئی عالمگیر عملی تعمیراتی پروگرام تشکیل دے دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہو گا اس کے خدوخال یقینی طور پر اس طرح کے ہونگے کہ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تعمیری پروگرام کے نفسیاتی نتائج :- ہر دل عزیزی' الفت و محبت' جہاں بینی' نفاست پسندی' ایثار و قربانی' رواداری' خود نگری و خود گیری' جواں ہمتی' حقیقت شناسی' اعتراف حقیقت' تحقیق و تجسس' محبت و تکریم' بلند نگہی و یک نگہی' خوش اسلوبی' قوت گویائی' جدوجہد' ظرافت پسندی' فراخدلی' بردباری' بلند فکری' دل سوزی' خوش خلقی' قناعت پسندی' میانہ روی' ثابت قدمی' اور آخر کار ان سب کا حسین مجموعہ اور لازوال نعمت یعنی جنت ارضی کا عظیم تحفہ سکون قلب۔

لیکن انسانی تگ و تاز کا سرکل :- لیکن اس مفاد عاجلہ کے خوگر انسان کی حالت بھی کچھ عجیب واقع ہوئی ہے اور وہ یہ کہ یہ حیوان ناطق جس کی بد عملیوں کے سبب یہ تمام نعمتیں اس سے چھن چکی ہیں خدا کا یہ "شاہکار" پوری دل جمعی کے ساتھ اسی فرسودہ ماحول کی آبیاری کیلئے اسی تعلیم اور انہیں نظریات و عقائد کو سینے سے لگائے خالصتاً" مادیت کی اسی چکی کے دو پاٹوں میں اپنے جسم و جان کو پیستا اور اپنی راحتوں اور مسرتوں کو قربان کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے چنانچہ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی موجودہ جہنمی زندگی میں باد نسیم کے کسی جھونکے کا گزر نہیں ہوتا اور انسانیت کا سرخ و سفید چہرہ اسی پریشاں خیالی اور پریشاں نظری کے باعث جھلس جانے کی بنا پر اس دیدہ کور کو وحی کا وہ صراط مستقیم۔۔۔۔ جو بالکل سیدھا بھی ہے آگے سے ابھرا ہوا بھی اور متوازن بھی ہے دکھائی نہیں دیتا اور جس کے باعث قوموں کی قومیں اپنے مقام بلند سے ذلت و رسوائی کی اس گہری غار میں جا گری ہیں کہ جسے قرآن حکیم نے دوزخ سے تعبیر کیا ہے یہاں تک کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ کیمطابق صرف سابقہ صدی کے دوران لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسان باہمی جنگ و جدل کے نشہ میں لقمہ اجل ہو گئے اور حالت یہ ہو چکی ہے کہ انساں اس وقت بھی زیادہ سے زیادہ مہلک اسلحہ بنانے اور اسے بیچنے میں شب و روز مصروف ہے تاکہ انسانوں کی ان لاشوں سے بلند سے بلند پہاڑ کھڑے کرتے ہوئے اپنی بدحواسی کی عظمت کا سرخ جھنڈا جگہ جگہ لہرایا جا سکے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ مادی وسائل پر اس کی دست رس قائم و دائم رہے۔ کاش آج کا انسان یہ مان لے کہ دوام صرف انسان کے اسی عمل کو ہے جو نوع انسانی کی منفعت بخشی کے لئے اختیار کیا جائے نیز اس طرح وہ یہ بخوبی جان لے کہ

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

خدائے رحیم کی رحمت :- خالق کائنات کی رفاقت اس راہ گم کردہ راہی کو کبھی مایوس نہیں ہونے دیتی بلکہ وہ اس اندھیری رات میں بھی انسانی زندگی کو ایک جوئے رواں کی طرح ساحل مراد کی نشاندہی برابر کرتی چلی جاتی ہے تاکہ جہاں بینی کے آب حیات سے اٹھنے والے بادل ابر رحمت بن کر دلوں کو لپیٹنے والی آگ کو ٹھنڈا کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی طرف سے نازل کردہ ضابطہ حیات ذکر العالمین کے مقدس نام سے پکارا جاتا ہے کہ جس کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ ہر دور میں ہر آن افراد سے لے کر قوموں تک (مہلت کا وقفہ ہونے سے پہلے) اگر کوئی

اس صراط مستقیم کی طرف رجوع کرنا چاہے تو اس کے لئے کسی قسم کی کوئی پیچیدگی اور الجھن اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔

خدائے رحیم کی ذات تو ہر وقت اپنی طرف سے دی گئی راہنمائی کی وساطت سے منتظر سائل ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ اس دی گئی روشنی کو انسان کب اپناتا ہے۔ اقبال کے الفاظ میں

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

یعنی جلوہ طور تو موجود ہے کوئی موسیٰ ہی نہیں' لہٰذا ان حالات سے نبرد آزما ہونے کی خاطر قدرت نے انسان کو نفسیاتی علم کی شکل میں جو صلاحیتیں اور نعمتیں عطا کر رکھی ہیں ان کا تفصیلی تذکرہ قندیل آسمانی میں ایک لازوال خزینہ ہے؟؟ کہ جس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے دور حاضر کے انسان نے بمشکل ابھی ابتدائی مراحل ہی طے کئے ہیں۔ لہٰذا انسان کا یہ اقدام ایک ایسی کرن ہے کہ جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ۔

یہ جہاں پُر نور ہو گا جلوۂ خورشید سے
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

علم نفسیات اور دنیائے یورپ:- موجودہ نفسیاتی تحقیقات کے سلسلہ میں محترم پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ

"انسان نے انسان پر تحقیقات اب شروع کی ہیں۔ جب یورپ مذہب عیسائیت کے چنگل سے نکلا لیکن وہ Materialism کی طرف چلا گیا لہٰذا اس کی تحقیقات زیادہ تر انسان کی Animality کے بارے میں ہیں۔ موجودہ دور میں Psychology نے انسان کے Mind پر ریسرچ شروع کی تھی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم وہ Material Point of View میں الجھ کر رہ گیا لہٰذا Mental سے مراد اب خالصتاً" دماغی امراض ہوتے ہیں جس کا علاج ڈاکٹر ہی سے ہوتا ہے۔ اب Psychologists کو انسانی نفس کے لئے Psyche لفظ Coin کرنا پڑا ہے۔ بہرحال اب خال خال انسان کو سمجھنے کی اچھی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کا مقام متعین کر دیا تھا"۔

آپ کا کہنا ہے کہ "نطشے Super Man اصل میں قرآن کا Man ہے۔ یا مرد مومن ہے لیکن نطشے کو اپنے ماحول میں چونکہ ایسا کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا لہٰذا اس کے نزدیک وہ Super Man تھا۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ

اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا' مقامِ کبریا کیا ہے"

(بحوالہ طلوع اسلام فروری 2000)

دنیائے نفسیات کے ثمرات:- حقیقت یہ ہے کہ جس دن انسان نے قرآن حکیم کی روشنی میں نفسیاتی دنیا کی اہمیت کو پوری طرح سمجھ لیا وہ دن دنیائے انسانیت کے لئے ایک نئے دور کا آغاز ہونے کی وجہ سے یوم عید کہلائے گا۔ کیونکہ اس دور میں ہر آن لحہ لحہ ایسے ایسے نت نئے پھول کھلیں گے کہ جن کی خوشبو سے اس کرہ ارض کا کونہ کونہ اور قریہ قریہ نوع انسانی کو کچھ اس طرح معطر کرے گا کہ اس کی اجتماعی زندگی کی یہ کیفیت ہو گی کہ۔

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

یہ وہ دور ہو گا کہ جہاں نہ تو کوئی فرد کسی فرد کا غلام ہو گا اور نہ ہی کوئی قوم کسی قوم کی دست نگر۔ چنانچہ اس پیدا کردہ ماحول کی بنا پر ایک مربوط نظام زندگی کے تحت عام نفسیاتی بیماریوں کے اسباب کو سمجھنا اور ان پر قابو پانا اتنا مشکل نہیں رہے گا جتنا کہ آج ہے۔ اس طرح یہ حضرت انسان وہ کچھ بن جائے گا کہ جو کچھ بننے کے لئے قدرت نے پیدا کیا ہے۔ سو اس جنتی معاشرہ میں اجتماعیت کی ایک ایسی باد نسیم چلے گی کہ جس کے جھونکے ذہنوں کو ہر آن معطر کئے ہونگے اور عزت و تکریم کے بادل اپنی ابر فشانی سے جہالت کے تمام نقوش حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے۔

قرآنی معاشرہ کی کیفیت:- زندگی کا یہ حسین سفر اس دور میں داخل ہو جائے گا کہ جہاں موت کا نشان بھی دکھائی نہ

اور انسان اپنی جبین نیاز خدائے رحیم و کریم اور علیم و بصیرت کے سامنے سجدہ ریز کرتے ہوئے علٰی وجہ البصیرت پکار اٹھے گا کہ اے بار الہا اگر تیری راہنمائی شامل حال نہ ہوتی تو زندگی کی اس جلوہ گری سے ہم ہمیشہ کے لئے محروم رہ جاتے۔ اس جہان نو کی کسی عمارت پر غلامی کی کوئی زنجیر کہیں لٹکی دکھائی نہیں دے گی۔ کرہ ارض کے اس قرآنی معاشرہ میں کسی قسم کی نہ تو مذہبی گروہ بندی ہو گی اور نہ سیاسی اجارہ داری نہ مذہب کے نام پر علیحدہ علیحدہ ناموں کی مسجدیں ہوں گی نہ علیحدہ علیحدہ دارالعلوم بلکہ مسجد صرف مسجد ہو گی اور مسلمان صرف مسلمان لہٰذا اس مقصد عظیم کے حصول کے لئے ہماری تمام علماء کرام سے یہ ایک درد مندانہ اپیل ہے کہ خدارا وہ مسلمانوں کو اس ابدی جہنم سے نکالنے کی خاطر اور امت کی تشکیل نو کے لئے کم از کم ابتدائی طور پر ہی سہی نماز کی ایک شکل اور ایک طریق اختیار کر لیں نیز روزہ کے سلسلہ میں باہمی طور پر صرف 5-10 منٹ کے فرق کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک وقت متعین کر لیں تاکہ ہماری دن رات کی دعائیں اور اجتماعیت کا حسین خواب پورا ہونے کی کوئی تو امید پیدا ہو اور اس طرح ہم بارگاہ خداوندی میں بھی سرخرو ہو سکیں اور پھر اس فرقہ واریت کے باعث شرمندگی کا وہ طوق جو صدیوں سے ہمارے گلے میں پڑا ہوا ہے وہ اتر جائے۔ آپ سے ہماری یہ التماس کسی ذاتی نوعیت کی نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کی آبرو کیلئے ہے اور وہ اس لئے کہ ہمارے اس عمل سے

شائد کوئی غنچہ چٹکے شائد کوئی پھول کھلے
اس اک آس پہ۔۔ گلشن گلشن ہم نے نغمے گائے ہیں

لہٰذا میری آپ حضرات سے امت واحدہ کے امین نبی آخرالزماںؐ کی کے صدقے یہ التماس ہے کہ

بڑا غبار بڑی دھول سی ہے راہوں میں
کوئی چراغ جلا دے میری نگاہوں میں
(فیض کوثر)

اور پھر ہم اس منزل تک پہنچ جائیں کہ دینیات کی علیحدہ علیحدہ کتابوں کی بجائے قرآن حکیم ہمارا مرکز قرار پائے اور اسی کی حکمرانی مقصود ہو تاکہ وہاں نہ کوئی ہامان ہو (مذہبی پیشوائیت) نہ قارون (نظام سرمایہ داری) اور نہ ہی فرعون (ملوکیت یعنی انسانوں کی حکومت انسانوں پر)۔ اس شکل و صورت پر تشکیل پانے والی جنتی زندگی کو دیکھ کر ہر آنے والی نسل کے لئے اس نظام حیات پر ایمان لانا اور اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل کرنا کسی طرح بھی مشکل نہ رہے گا کیونکہ اس معاشرہ میں انسانی نفسیات کے سرکش جذبات کو یک رنگ اور یک نظر بامقصد تعلیم و تربیت کے ذریعے نظم و ضبط کی آئینی اور اخلاقی حدود کا بطیب خاطر پابند رہنا سکھا دیا جائے گا لہٰذا اس قرآنی معاشرہ میں اپنے اپنے شیطان کو مسلمان کرنا آسان بن جائے گا۔

ایک خوبصورت حدیث :- حدیث نبوی ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ "اے رسول خدا آپ کا بھی کوئی شیطان ہے" تو آپ نے فرمایا کہ "ہاں ہے لیکن میں نے تو اسے مسلمان کر لیا ہے" سو بات ساری کی ساری انسانی نفسیات کے سرکش جذبات کو مسلمان بنانے کی ہے۔ تاکہ انسان ایک مربوط منفعت بخش ! عالم گیر سوچ کے تحت اپنے آپ کو ذہنی اور نفسیاتی لحاظ سے بطیب خاطر تیار کرے کیونکہ یہی وہ ایک واحد طریق ہے کہ جس سے ہر نفسیاتی بیماری کے اسباب کو سمجھنے اور اس پر قابو پانے کی صلاحیت پروان چڑھتی ہے۔

وحی اور عقل کا مقام :- آج ہر جگہ نفسیاتی شفاخانوں اور ذہنی مریضوں کا جو اضافہ ہو رہا ہے اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اس طریقہ علاج کی طرف توجہ نہیں دی جو انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ مقدم ہے اور ہو گا۔ انسان ہزار کوشش کے باوجود بھی زندگی کے عقدوں کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا لہٰذا ایک نہ ایک دن اس کو اپنی تشنگی بجھانے کی خاطر قرآن حکیم کے بہتے ہوئے چشمے کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا اور وہ اس لئے کہ اس آب جو کے علاوہ انسانیت کے پاس کوئی حوض کوثر موجود ہی نہیں لہٰذا یہی وہ

آب حیات ہے جسے خدا تعالیٰ نے شفا اللناس کے مبارک نام سے پکارا ہے اور فرمایا کہ قرآن حکیم کی روشنی ہی وہ روشنی ہے جسے انسان دنیا میں اپنی تاریک راہوں کو روشن کر سکتا ہے (5:11, 14:1) اور یہی وہ نور ہدایت ہے کہ جسے قلب نبوی پر نازل کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اے رسول تو حقیقت کی تلاش میں تھا کہ خدا نے تجھے حقیقت سے آگاہ کر دیا"۔

اس حقیقت کبریٰ یعنی قرآن حکیم کی عظمت و کاملیت کا تعارف کراتے ہوئے جو خوبصورت ترین الفاظ خود خدا نے استعمال کئے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

ام الکتاب۔ مفصل کتاب۔ مبارک کتاب۔ لاریب کتاب۔ منیر کتاب۔ حق کتاب۔ مسطور کتاب اور معلوم کتاب وغیرہ۔

نوع انسانی کی خوش قسمتی :- مندرجہ بالا چند ایک سطور کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو کیا نوع انسانی کی یہ خوش قسمتی نہیں کہ اسے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ نسخہ کیمیا بغیر کسی مزد و معاوضہ کے مل گیا تاکہ یہ حیوان ناطق عمر کاٹنے کی بجائے زندگی کی خوش گواریوں سے لطف اندوز ہو سکے اور اس روشن کتاب کی طرف سے عطا کردہ ضابطہ حیات کے مطابق اپنا معاشرہ تشکیل دیتے ہوئے تمام نفسیاتی بیماریوں اور خامیوں سے بچ جائے جس کے بغیر خدا کا یہ "شاہکار" نزول قرآن کے وقت تباہی کے اس کنارے تک جا پہنچا تھا کہ جہاں سے اس کی واپسی ہی ممکن نہ تھی۔ اس کتاب نور کی آج بھی یہ کیفیت ہے (اور ہمیشہ رہے گی) کہ نوع انسانی کی تاریک دنیا کو ہمیشہ روشن کر دے کیونکہ یہ نور ہدایت اس ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو حی القیوم ہے یہ وہ ضابطہ حیات ہے کہ جس میں کبھی بھی کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا یہ روشن کتاب بڑی ہی مستقل مزاج واقع ہوئی ہے یہ وہ زینہ ہے جو انسانیت کو پستیوں سے نکال کر بلندیوں کی طرف اور تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس ضابطہ حیات میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں۔ دو ٹوک بات کرنا اس کا خاصہ ہے اس کتاب عظیم نے تمام نفسیاتی بیماریوں کی نشاندہی کر کے جہاں ان کا حل پیش کیا ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ اس مادی کائنات کی اصل حقیقت اور اس کے اصل مقام کا بھی تعین کیا ہے تاکہ انسان لاعلمی کی بنا پر جہالت اور توہم پرستی کا شکار نہ ہو جائے سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب مبین کا ایک ایک لفظ شہد کے ہر قطرے کی طرح میٹھی اور سورج کی ہر کرن کی طرح روشن اور مکمل ہے۔ قرآن حکیم کی اقدار میں زندگی کی حرارت بھی ہے اور چاند کی سی ٹھنڈک بھی۔

قرآن حکیم کا دعویٰ :- ان خصوصیات کی بنا پر ہی اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر انسان اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چل نکلے اور اجتماعی طور پر اپنے معاشی' سیاسی' عائلی اور تمدنی نظام کو اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق قائم کرے تو پھر نوع انسانی کا پرانے والا دن پہلے دن سے کہیں زیادہ روشن اور تابناک ہو گا اور اس طرح انسان کو وہ سکون قلب میسر آجائے گا کہ جس کی تلاش میں یہ بھٹکا ہوا راہی صدیوں سے مارا مارا پھر رہا ہے۔ اگر اس قندیل آسمانی کے متعلق پوچھا جائے کہ اس کی تعلیم کا ماحصل کیا ہے تو مختصر ترین الفاظ میں اس کا جواب یہ ہے۔ انسان کی عظمت۔۔ اور وہ عظمت جو انسان کو نفسیاتی اور عملی طور پر ہر لحاظ سے پوری طرح مطمئن کرے کہ انسان جو کچھ چاہتا ہے وہ کچھ بھی اسے ملے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔

نفسیاتی تبدیلی کس طرح ہو گی :- انسان کیونکہ سراپا نفسیاتی پیکر واقع ہوا ہے لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ قرآن جیسی مدلل نفسیاتی کتاب کے ایک ایک لفظ پر غور و فکر کرنے کے لئے اسے نصابی طور پر سکولوں اور کالجوں میں شامل کیا جائے کیونکہ اس کا اس طرح مطالعہ کئے بغیر علم نفسیات کسی صورت میں بھی مکمل نہ ہو گا اور انسان کی وہی حالت رہے گی جس کا وہ آج شکار ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے یہ اعلان صدیوں پہلے کر دیا تھا کہ جو قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا نہیں کرتی خدا اس قوم کی کبھی حالت نہیں بدلتا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

نفسیاتی تبدیلی پیدا نہ کرنے کا نتیجہ:- سو یہ ہے ذات انسانی کے ساتھ علم نفسیات کا تعلق اور رشتہ جسے نوع انسانی نے ہمیشہ نظر انداز کئے رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام نعمتیں جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اس سے چھن گئیں اور دنیائے انسانیت خاک کا ایک ڈھیر بن کر رہ گئی اور نفسیاتی تبدیلی کو نظر انداز کرنے سے یہ عقل عقل خیر ہی نہ رہی جہاں روپے کی ریل پیل تھی وہاں عیاشی نے انسانی عقل کو مفلوج کر دیا اور جہاں مفلسی تھی وہاں ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئیں اور اس طرح رعونت اور بے چارگی دونوں نے زندگی کو ہی مفلوج کر کے رکھ دیا اور پھر جن قوموں نے مادیت کے میدان میں اگر کوئی ترقی بھی کی تو ان کے ہاں نیشنلزم کی خود غرضی کا تصور ہر کس و ناکس کے لئے وبال جان بن گیا چنانچہ اس تصور بد کی وجہ سے انسانی علم کی ترقی اپنوں اور غیروں میں تفریق کا باعث بن کر رہ گئی نتیجہ یہ ہوا کہ انسان اجتماعی ترقی کے ثمرات سے محروم ہوتا چلا گیا اور ہونے والی نت نئی ایجادات نے طبقاتی تقسیم کو اس قدر اچھالا کہ انسان واضح طور پر احساس برتری اور احساس کمتری کے کینسر میں مبتلا ہو گیا اور دنیائے انسانیت خاک کا ایک ڈھیر بنکر رہ گئی لہٰذا اس کا کوئی عمل بھی عالم گیر براوری کے نکتہ نظر سے پروان نہ چڑھا اور اس کی حالت اجتماعی طور پر قرآن حکیم کے الفاظ میں اس بڑھیا کی سی ہو گئی کہ جس نے دن بھر بڑی محنت سے سوت کاتا اور شام کو اپنے ہی ہاتھوں اسے لیر لیر کر دیا" غالباً" اسی خیال کے پیش نظر ہمارے دور کے ماہر سیاسیات (H.J.Hencken) اپنی کتاب (Treatise On Right And Wrong) میں لکھتا ہے کہ

دور حاضر کے ایک مفکر کا اعتراف:- "تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع حیوان اور سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ اور وہ ناکامی یہ ہے کہ یہ اپنے لئے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے ایک اچھی حکومت کہا جا سکے۔ اس نے اس باب میں بڑی بڑی کوششیں کیں۔ بہت سی ایسی جو فی الواقع محیر العقول ہیں اور بہت سی ایسی جو بڑی جرات آزما تھیں۔ لیکن جب ان کی عملی تنفیذ کا وقت آیا نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ فطری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنا اور بات۔ نظری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افراد مملکت کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور ارباب حکومت پبلک کے خادم ہیں۔ جب حکومت ہاتھ آجاتی ہے تو اس پبلک کی خدمت نہیں بلکہ سلب و نہب ہوتا ہے۔"

ہمارا خیال ہے کہ مندرجہ بالا چند ایک صفحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو گی کہ اگر عقل کے پاس وحی کا زاد راہ نہ ہو تو وہ ہمیشہ مفلس رہے گی اور اس کمی کے باعث قدم قدم پر عملی زندگی کی مشکلات اس کے راستے میں حائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی یہی وہ بے مایہ عقل ہے جس کے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات

یہی وجہ ہے کہ وحی کی روشنی سے محروم قومیں آخرکار یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ

خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے

وحی کا طرۂ امتیاز:- لہٰذا یہ ہے وہ وجہ جواز کہ جس کی بنا پر نوع انسانی کو کار حیات کی زبوں حالی سے بچنے کی خاطر ایک ایسی ہی راہنمائی کی ضرورت تھی کہ جس میں تمام نفسیاتی بیماریوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ اس کے علاج کے سلسلہ میں اسباب و علل کو بھی نظر انداز نہ کیا گیا ہو کیونکہ قدم قدم پر نت نئے تجربات سے دو چار ہونے والی عقل آئندہ کے خدشات کے پیش نظر کوئی ضمانت حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتی جبکہ وحی کا یہی وہ طرہ امتیاز ہے جسے او سپنسکی نے کچھ اس طرح

بیان کیا ہے کہ

"وحی کا تصور نہ ہو تو مذہب ہی باقی نہیں رہتا۔ مذہب میں کوئی نہ کوئی عنصر تو ضرور ایسا ہوتا ہے کہ جو عام فکر انسانی کے احاطہ علم سے باہر ہو اس لئے اگر یہ کوشش کی جائے کہ جن باتوں کو انسانی عقل اچھا سمجھتی ہے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر کے اس مجموعہ کا نام مذہب رکھ لیا جائے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا"

سو اس حقیقت کے پیش نظر جو دین (یعنی نظام زندگی) انسانی نفسیات کو بتدریج تعمیری اور عملی منزل کی طرف گامزن نہیں کرتا وہ خدا کا دین نہیں کہلا سکتا بلکہ وہ تو انسانوں کا خود ساختہ مذہب ہی ہوتا ہے اور یہی وہ مذہب ہے کہ جس کی بنا پر ہر قسم کی نفسیاتی بیماریاں جنم لیتی ہیں مذہب اور دین خداوندی کے سلسلہ میں رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان کس قدر خوبصورت ہے کہ

ایک اسلامی ریاست کی خصوصیات:- "جس شخص کا آج کل جیسا ہی گزرا وہ تباہ ہو گیا" لہٰذا اس قول رسولؐ کی روشنی میں یہ بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم مسلمان صدیوں سے دین کے پیروکار ہیں یا مذہب کے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے مسلمانوں کے ہاں جتنی بھی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئی ہیں انہیں مسلمانوں کی مملکتیں تو کہا جا سکتا ہے اسلامی مملکت کا مقدس تمغہ اس کے شانوں پر نہیں سجایا جا سکتا۔ دین تو امت واحدہ کا نام ہے نہ کہ مختلف فرقوں کا۔ دین کے اندر بے لگام مغربی جمہوریت کا کیا کام۔ دین میں تو نظام سرمایہ داری اور جاگیرداری کا نشان تک نہیں ہوتا وہاں تو رزق کے تمام سرچشمے اسلامی مملکت کی ملکیت میں نہیں بلکہ تحویل میں بطور امانت ہوتے ہیں اس لئے وہاں تو خدا کی زمین خدا کے بندوں کے لئے کھلی ہوتی ہے تاکہ ہر ضرورت مند مملکت اسلامیہ کے زیر کنٹرول اس سے رزق حاصل کر سکے۔

قرآنی معاشرے کا طرۂ امتیاز:- قرآنی معاشرے کا طرۂ امتیاز ہی یہ ہے کہ وہاں صلاحیتیں اور نعمتیں بیچی نہیں جاتیں بلکہ صرف کی جاتی ہیں یاد رہے کہ جنت میں کوئی چیز فروخت نہیں ہو گی۔ علامہ اقبال نے اسی قرآنی بصیرت کے پیش نظر فرمایا تھا

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ ساز گار؟
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
دہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں' میری نہیں!

قرآن حکیم میں مختلف نفسیاتی رویئے:- لیکن جب دین مذہب میں بدلا تو خدا کی یہ زمین خدا کے بندوں کے لئے کھلی نہ رہی علاوہ ازیں خود ساختہ مذہب کی اجارہ داری نے جہاں معاشی اور سیاسی ہمواریاں پیدا کیں وہاں انسان ان مہلک سے مہلک نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو کر رہ گیا جنہیں خدائے حکیم نے امراض قلب کہہ کر پکارا ہے۔ پکارا ہی نہیں بلکہ ان سرکش جذبات (شیطان) کی کوئی سرکشی' بے اعتنائی اور گستاخی ایسی نہیں کہ جس کا ذکر اس قدیل آسمانی نے بڑے ہی واضح انداز میں نہ کیا ہو۔ علاوہ ازیں اسی قسم کی ایک دوسری نفسیاتی کیفیت یعنی ابلیسیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کے متعلق انسان کو مطلع نہ کیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جہاں ان سرکش جذبات کا ذکر کثرت سے کیا ہے وہاں قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں کہ جس نے ان جذبات کے رخ کو صحیح سمت عطا نہ کی ہو۔ انسانی خواہشات' آرزوئیں اور جذبات ہی تو انسان کا وہ خاصہ ہیں کہ جو اسے دیگر مخلوقات میں سے ایک الگ ممتاز مقام عطا کرتے ہیں لہٰذا اگر انسان کو ان نعمائے خداوندی سے محروم کر دیا جائے تو ملائکہ بھی اس کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوتے۔ راقم اس سلسلہ میں عالمگیر شہرت کی حامل شخصیت محترم پرویز صاحب کی ایک مختصر سی تحریر کا اقتباس پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہے جس سے زیر نظر موضوع کے خدوخال نکھر کر سامنے آجائیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

خواہشات۔ آرزوئیں۔ جذبات:۔ "آرزو اور زندگی لازم و ملزوم ہیں۔ جب آرزو نہ رہے تو زندگی اور موت برابر ہوتے ہیں۔ اس کو عام الفاظ میں خواہش بھی کہتے ہیں اور اس کا محرک کوئی نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ اس سے انسانی زندگی میں جذبات کی اہمیت واضح ہے۔ لیکن جذبات و خواہشات یا آرزوؤں کو اگر بے لگام چھوڑ دیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ اس لئے قرآن حکیم نے ان خواہشات کو جو وحی کی عائد کردہ پابندیوں کے تابع نہ ہوں تباہی کا موجب قرار دیا ہے۔ ہر آرزو کو عقل کے تابع ہونا چاہئے اور عقل کو وحی کی روشنی میں چلنا ہو گا۔ اس سے انسان کی انفرادی زندگی نشوونما حاصل کرتی جائے گی اور اس کی حیات اجتماعیہ جنت بداماں ہو گی۔"

قرآن کریم میں خواہشات کے لئے عام طور پر اھواء کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا مادہ (ھ۔ و۔ ی) کے بنیادی معنی اوپر سے نیچے گرنا ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اگر عقل و وحی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کا غلام ہو جائے تو وہ شرف انسانیت کے مقام سے نیچے گر جائے گا۔

یاد رکھئے۔ قرآن کریم کی رو سے انسانی جذبات' خواہشات یا آرزوئیں' مذموم شے نہیں کہ جن کے دبانے یا فنا کر دینے سے "روحانی ترقی" حاصل ہو۔ یہ تصور یکسر غلط اور غیر قرآنی اثرات کا پیدا کردہ ہے۔ انسانی جذبات فنا نہیں کئے جا سکتے اور اگر انہیں دبایا جائے تو یہ غیر فطری راستوں سے باہر نکلتے ہیں جس سے ہزار نفسیاتی روگ لاحق ہو جاتے ہیں اسے (Perversion) کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی رو سے انسانی جذبات کی تسکین ضروری ہے بشرطیکہ انہیں وحی کے تابع رکھا جائے۔ جب جذبات وحی کی مستقل اقدار کے تابع رہیں تو ان سے انسان کے اندر بے پناہ قوتیں ابھرتی ہیں۔ جذبات ہی تو وہ قوت ہے جو عمل کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ اگر عمل کا محرک کوئی جذبہ نہ ہو تو وہ صاحب ارادہ انسان کا فیصلہ نہیں۔ محض مشین کی حرکت ہے جس کا انسانی سیرت و کردار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لہٰذا قرآن کریم نے جہاں خواہشات کی مذمت کی ہے۔ اس سے مراد وہ خواہشات ہیں جو وحی کے تابع نہ رہیں بعض مقامات پر اس کے لئے شہوات کا لفظ بھی آیا ہے" (بحوالہ تبویب القرآن' صفحہ 699 جلد دوم)

قرآن کریم نے آج سے صدیوں پہلے ان خواہشات' جذبات کا ذکر نفسِ مطمئنہ۔ نفسِ امارہ۔ نفس کا خسران' نفس کشی اور نفس لوامہ۔ وغیرہ کی اصطلاحات کی شکل میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اصطلاحات اپنے اندر کیا کیا نفسیاتی پہلو لئے ہوئے ہیں ان کا اندازہ کرنا ہر آنے والے دور کے لئے ہمیشہ ایک تحقیقات چیلنج کی صورت میں رہے گا۔ ہمیں تو اس وقت صرف یہ دیکھنا ہے کہ موجودہ دور میں ہم نے ان نفوس حقائق کا جواب کس قسم کے حسن عمل سے دیا اور اگر ہم اپنی سابقہ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو اس سے جو صورت سامنے آتی ہے وہ کسی شکل میں بھی قابل فخر نہیں۔ اقبال کے الفاظ میں

ہماری سابقہ اور موجودہ حالت:۔

ہاتھ بے زور ہیں' الحاد کے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائیٔ پیغمبرؐ ہیں

اور اس حالت زار کی وجہ جواز صرف اور صرف یہ ہے کہ

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

لہٰذا آج

تری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

بہرحال اس تمام صورت حال کے پیش نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ "خدائے کریم نے نوع انسانی کو قرآن حکیم کی روشنی اس لئے عطا فرمائی کہ وہ زندگی جیسی عظیم نعمت کو کار حیات کی زبوں حالی سے محفوظ رکھ سکے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے آج سے چودہ سو سال پیشتر اس وحی خداوندی کی روشنی میں ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی کہ جس سے مقصود یہ تھا کہ آنے والی نسلیں اس

پیش کردہ قرآنی تعلیم پر قولاً" اور فعلاً" ایمان لا سکیں۔ لیکن افسوس کچھ ہی عرصہ بعد امت مسلمہ وحی کے متعین کردہ راستے پر گامزن نہ رہی۔ چنانچہ آہستہ آہستہ اس کی حالت اس اونٹنی کی سی ہو گئی جو کمزور و ناتواں ہونے کے باعث اپنے قافلے کا ساتھ نہیں دے سکتی اور مضمحل ہو کر بیٹھ جاتی ہے"۔

صدر ایوب خاں مرحوم کی ایک تقریر:- صدر ایوب خاں مرحوم نے ایک مرتبہ قاہرہ یونیورسٹی میں ایک ایسی تقریر کی تھی کہ جس کا ایک ایک لفظ ابھی تک ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے اور ہر صاحب دل سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے ملت اسلامیہ کے دانشورو میری اس پکار کو دل کے کانوں سے سنو اور پھر غور کرو کہ ہمیں اپنے عہد رفتہ کی عظمت کو آواز دینے کے لئے کیا کرنا ہو گا آپ نے فرمایا۔

"جوں جوں ہم دین کی روح سے دور ہٹتے گئے اور محض رسم پرستی کو دین سمجھ لیا' دین کی اصل حقیقت کی جگہ سلیمت نے لے لی۔ غور و فکر کی جگہ توہم پرستی آگئی اور جرات تحقیق کی جگہ روایت پرستی کی اندھی تقلید نے سنبھال لی۔ مسلمانوں کو تاج و تخت اور حکومتوں اور سلطنتوں کے چھن جانے سے اس قدر نقصان نہیں ہوا۔ جس قدر نقصان اس سے ہوا کہ ان سے اس دل کی حکومت چھن گئی جس کا شعار آزادانہ تحقیق و کاوش تھا۔ اور اس کی جگہ ان پر عقلی جمود مسلط ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی تو آگے بڑھتی گئی لیکن اسلام کا علم و عمل اس سے صدیوں پیچھے رہ گئے اور وہ دین جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایک مکمل متحرک اور حرکت بخش ضابطہ حیات بنے محض پوجا پاٹ کی ظواہر پرستی کا پیکر بن کر رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دنیا جو ہر آن آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ مسلمان کی نگاہیں مڑ مڑ کر پیچھے کی طرف جاتی ہیں۔" (بحوالہ کتاب مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی از محمد اشرف ظفر)

علامہ اقبالؒ کی قرآنی بصیرت کے سامنے ملت اسلامیہ کی اس بے اعتنائی کے باعث خفت کے وہ تمام اسباب اور باطل عقائد کے وہ تمام نتائج ظاہر تھے۔ اس لئے وہ تمام عمران عوامل کی نشاندہی کرتا رہا کہ جن کی وجہ سے ہماری عظمت رفتہ پامال ہوئی۔ چنانچہ اس نے اس زبوں حالی کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے فرمایا کہ

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

یہ مہلک بیماری کیونکر لاحق ہوئی اس کی وجہ جواز صرف یہ تھی کہ علامہ اقبال کے ہی الفاظ میں ۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

بہرحال ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا یہ سب کچھ قرآن حکیم کے ان غیر متبدل اصولوں کے مطابق ہوا جو آج بھی اپنی جگہ اٹل ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے کہ

"جن لوگوں کی ساری کوشش طبعی زندگی کے مفادات کے حصول میں ضائع ہو جاتی ہے (اور وہ بلند اقدار کا کوئی خیال نہیں کرتے) وہ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ان کے لئے یوم مکافات میں میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی"۔ (18:103-105)

یہ تھیں میری وہ معروضات جن کا مقصد ذات انسانی اور علم نفسیات کو قرآن حکیم کی روشنی میں پیش کرنا تھا۔ آخر پر مجھے علامہ اقبالؒ کی امید افزا قرآنی بصیرت کے ہی ایک اقتباس کا سہارا حاصل کرنا مقصود ہے۔

اقبال نے کہا تھا کہ "اس میں شبہ نہیں کہ ہم آج راکھ کا ڈھیر ہیں لیکن ہماری خاکستر میں اس کے امکانات ہیں کہ اس سے وہ شعلہ پیدا ہو جائے جو باطل کے خس و خاشاک کو جلا کر خاکستر کر دے۔

غنچہ ہائے گلستاں در دامن است
چشم ما از صبح فردا روشن است

ہماری ملت کا ننھا سا غنچۂ ناشگفتہ اپنے اندر پورے کا پورا گلستاں لئے ہوئے ہے۔ ذرا سی مساعد فضا مل جائے تو آپ دیکھئے گا کہ یہ غنچہ کس قدر بہار آفرینیوں کا موجب بنتا ہے آج ہماری رات بے شک تاریک ہے لیکن ہماری آنکھ اس نور سے روشن ہے جو ہم میں مستقبل میں نمودار ہونے والا ہے"۔

(بحوالہ کتاب مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی' صفحہ 576' از محمد اشرف ظفر)

اپیل

یہ امر باعثِ تاسف ہے کہ تحریکِ طلوع اسلام کا اولیں گہوارہ کراچی شہر گزشتہ باون برسوں سے بزم طلوع اسلام کے مستقل آفس سے محروم ہے۔ آئے دن کی نقل مکانیوں کے باعث نہ صرف اراکین کی توانائیاں مایوسی کا شکار ہو کر گرم جوشی کے عنصر سے محروم ہو جاتی ہیں بلکہ بعض احباب مزید ساتھ چلنے کی بجائے گوشہ گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔ یوں تو کراچی شہر کروڑوں نفوس پر مشتمل ہے مگر تخلیق پاکستان کے بعد اہل سیاست اور سرمایہ دار طبقات نے "مذہب" کو اس قدر طاقتور بنا دیا ہے کہ تحریک طلوع اسلام کو چومکھی دشواریوں کا سامنا ہے۔ بزم کراچی سال ہا سال کے تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کرایہ پر حاصل کردہ جگہ پر چند مہینوں سے زیادہ دیر تک پر سکون ماحول میں درس قرآن منعقد نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا مالکانہ حقوق ہی مستقل بنیاد فراہم کرتے ہیں کہ پراپرٹی ادارہ کے نام پر خریدی جائے۔ تحریک طلوع اسلام کو بزم کراچی کے لئے ایک مستقل آفس کی اشد ضرورت ہے اس کے لئے گرانقدر عطیات درکار ہیں۔ دین اسلام کی سربلندی اور قرآنی معاشرہ کی تشکیل کے خواہاں معزز خواتین و حضرات سے اپیل ہے کہ وہ اپنے گرانقدر عطیات دے کر اس عظیم کار خیر میں حصہ ڈالیں۔ عطیات زیادہ سے زیادہ ماہ اکتوبر 2000ء کے آخر تک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 (کراچی بلڈنگ پراجیکٹ) نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ برانچ، گلبرگ 2 لاہور میں بذریعہ چیک، پے آرڈر یا کیش بھجوا سکتے ہیں۔ تحریک کو گیارہ لاکھ روپے درکار ہوں گے تاکہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر کے لئے 720 مربع فٹ کا ہال (1300 روپے فی مربع فٹ) جو شاہراہ فیصل پر واقع پارک ایونیو کی عمارت میں ہے مستقل آفس قائم ہو سکے۔

اعتذار

گزشتہ ماہ کی اشاعت میں "اپیل" کے عنوان کے ذیل میں چھپنے والی تحریر میں سہواً شاہراہ قائداعظم اور ادارہ کا بنک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 کی جگہ 7-3087 تحریر ہو گیا تھا۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ تصحیح فرمالیں اور براہ کرم کراچی بزم آفس فنڈ کے لئے بھیجی جانے والی رقم کی اطلاع ادارہ کو ضرور ارسال فرمائیں۔ شکریہ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ڈاکٹر شبیر احمد فلوریڈا)

نشانِ منزل Mission Statement

صاحبو ! جرسِ کارواں بجنے سے پہلے بانگِ درا سے پیشتر اچھا سالارِ کارواں' اہلِ کارواں کو نشانِ منزل سمجھاتا ہے۔ حالیہ برسوں میں امریکہ میں رواج عام ہوا ہے کہ ہر کمپنی' ادارہ اور بزنس اپنے اپنے وجود کی ضرورت وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ ہم یہ ہیں اور فلاں مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس وضاحت کو مشن سٹیٹمنٹ کہا جاتا ہے۔ ہم نے اردو میں اسے "نشان منزل" کا نام دیا ہے۔

تاریخ کے بڑے انسان دانستہ طور پر اپنے ساتھیوں' ہمراہیوں یا سپاہ کو "نشان منزل" دیتے آئے ہیں۔ لیکن صاحبو! دنیا بھر کی تاریخ کھنگال جایئے اور روز اول سے آج تک چھان پھٹک لیجئے۔ حکیم انسانیت' رسول کریمؐ نے جو بلند ترین مقصد اپنے اصحاب کے سامنے رکھا وہ ہمیشہ ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ ہمارے مورخین نے اس مقدس مشن سٹیٹمنٹ کا جو حصہ محفوظ کیا ہے وہ یہ ہے۔

"ہم ایک ایسی ریاست قائم کریں گے جس میں صنعا یمن سے بصریٰ شام تک (تقریباً 1700 میل) زیورات سے لدی پھندی ایک حسین عورت تنہا سفر کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔"

اور کمال یہ ہے صاحبو ! کہ نبی کاملؐ نے اتنے بلند اور عظیم مقصد کو اپنی زندگی میں حاصل کر کے رہتی دنیا تک کے لئے ایک درخشاں مثال قائم کر ڈالی۔ یہ وہ عرب تھا جہاں انسان کا لہو پانی سے ارزاں تھا۔ جہاں لوٹ مار' ڈاکہ زنی شجاعت کے کام سمجھے جاتے تھے۔ چوری کو انسان کی ہوشیاری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ جہاں مال و زر انسان کی برتری کا معیار بنے ہوئے تھے۔ جہاں خاتون کی عزت و حرمت کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ وہ خریدی اور بیچی جاتی تھی اور جوئے میں ہار دی جاتی تھی۔

تاجدار مدینہؐ وہ حاکم بے تاج تھے کہ آپؐ کی حیات مبارکہ کے بعد بھی آپ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول جاری رہا۔ مغرب کے اہل نظر مورخین نے نہایت حیرت کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا دو سالہ دور خلافت میں جب حضرت عمرؓ مدینہ یعنی مرکز خلافت کے قاضی القضاۃ تھے۔ اس تمام مدت میں آپ کی عدالت میں کسی نوعیت کا ایک مقدمہ بھی پیش نہیں ہوا۔ عرب کی تجارتی شاہراہوں پر ایک جرم تک نہیں ہوا۔ اور کیا کہئے ! بس یہی کہ صلی اللہ علیہ وسلم !

کاش ! آج کی دنیا میں کوئی ملک کوئی حکومت اس مشن سٹیٹمنٹ کو اپنائے اور نافذ کرے۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ رسول کریمؐ نے صرف قوانین ہی نافذ نہیں فرمائے تھے پہلے دلوں کی دنیا کو بدل ڈالا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ڈاکٹر منصور الرحمٰن، پشاور)

انسان کا سب سے بڑا مسئلہ

عملی زندگی میں انسان کے لئے جو چیز قدم قدم پر مشکلات کھڑی کرتی ہے وہ ہے اپنی "ذات" کو منوانے کا جذبہ اور دوسروں سے اس کی تصدیق۔

انسانی "ذات" کیا ہے۔ یہ نہ تو بتائی جا سکتی ہے اور نہ دکھائی۔ کیونکہ یہ کوئی مادی شے نہیں ہے۔ یہ انسانی جسم سے ہٹ کر ہے اس کو انگریزی میں Human Personality یا علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں "خودی" یا عام الفاظ میں "انا" یا "میں" کہتے ہیں۔ انسانی ذات کا مظاہرہ اس کے اختیار و ارادہ سے ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس نظر نہ آنے والی چیز کا پتہ کسی انسان کی مرضی سے ہونے والے عمل سے چلتا ہے۔

اللہ کی "ذات" اور "ارادہ" مکمل ہے جبکہ انسانی ذات اور ارادہ "محدود" ہوتا ہے۔ انسان نے "محدود" زمان و مکان میں اپنی ذات کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کو ترقی یافتہ بھی بنانا ہوتا ہے کیونکہ اس کی بناء پر اردگرد کے ماحول اور اپنے آپ کو پہچاننا ہوتا ہے۔ اس سارے عمل کو "علم" حاصل کرنا کہتے ہیں۔ یہی شرف انسانیت ہے مگر یہ چیز درست طریقے پر ترقی نہ کر سکے تو پھر یہی اس کے لئے مسائل کا سبب بن جاتی ہے۔

زمین پر موجود ساری مخلوقات "ذات" سے محروم ہیں حالانکہ اکثریت کے "جسمانی افعال" اور "جذبات" انسان جیسے ہیں۔ ایک جانور بھی دیکھتا ہے اور انسان بھی مگر جانور صرف دیکھتا ہے جبکہ انسان کہتا ہے کہ "میں" دیکھتا ہوں۔ یہ "میں" ہی اس کی خصوصیت ہے یعنی اپنی ہستی کا احساس۔

ماہرین نفسیات کے مطابق عمر کے 9 سے گیارہ سال کے دوران ہر انسان اپنے والدین اور اساتذہ سے جدا اپنی سوچ اور عمل کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے۔ عملی طور پر کسی حکم کی پابندی نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں وہ ہر "بات" کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہے جس سے سوال پر سوال کیے چلا جاتا ہے۔ بعض اوقات تنقید پر اتر آتا ہے۔ یہ چیز 14-15 سال کی عمر میں نہایت شدت سے ابھر آتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب یہ نوجوان اپنی "مرضی" یا "انا" کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ مناسب اظہار نہ ملے تو یہ نوجوان تشدد، توڑ پھوڑ، تخریب کاری یا پھر مختلف ذہنی الجھنوں کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ ماہرین نفسیات اس عمل کو شناخت کا بحران یا (Identity Crisis) کہتے ہیں۔

آج کل نوجوان لڑکوں نے لمبے بال، عجیب و غریب حلیے اور بے ہنگم موسیقی کا جو طوفان کھڑا کر رکھا ہے وہ حقیقتاً اسی شناختی بحران کا نتیجہ ہے۔ لڑکیوں اور عورتوں میں یہ شناختی بحران کیا کچھ کراتا ہے وہ مختلف اخباروں میں گھر سے فرار اور ذہنی مسائل کے کالموں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ہر انسان کا حق ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، اس کو مانا جائے، اس کی کسی طرح پہچان ہو۔ وہ عزت اور شہرت کا مالک بن جائے۔ اس لئے ہر شخص "مقام" بنانے کے لئے مختلف حربے اور طریقے اختیار کرتا ہے کوئی سیاست میں

زور آزمائی کرتا ہے تو کوئی "بزنس مین" بن کر جان ہلکان کرتا ہے۔ کوئی "علمی" میدان کا پہلوان بننے کی کوشش کرتا ہے تو کسی کو "سماجی" خدمت کا شوق ہو جاتا ہے۔ "اداکاری" بھی خود کو نمایاں کرنے کے لئے اختیار کی جاتی ہے غرض کہ جب گھر' سکول اور معاشرے سے اس کو درست اور مناسب اہمیت نہ ملے تو پھر عجیب و غریب عادات اور ذہنی مسائل میں پھنس جاتا ہے۔

"ذات" کی اہمیت جب حیوانی اور غیر انسانی نظریات کے ماتحت ہو تو اس سے معاشرے کو جس دکھ اور تکلیف سے گذرنا پڑتا ہے اس کا ذکر ہم سب کی آپ بیتی ہے۔ خود غرضی اور بے اعتنائی ایک سیلاب کی صورت میں ہمیں اپنی گرفت میں لے چکی ہے ہم ایک ایسے "ہجوم" کے افراد ہیں جس میں ہر شخص ہجوم کے ساتھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ ہم اپنے دل کی بات کسی سے نہیں کہہ سکتے کیونکہ کسی کو کسی پر اعتماد اور اعتبار نہیں رہا ہے۔ سارا معاشرہ ایک وسیع جیل خانہ بن چکا ہے جس میں ہر شخص قید تنہائی کاٹنے کے لئے الگ الگ کوٹھڑی میں بند ہے۔ کسی کے پاس دوسرے سے کہنے کے لئے کوئی "بات" ہے نہ "وقت"۔ ہر ایک اپنے خیالات میں "محبوس" اور اپنی اپنی کیفیات میں "مقید"۔

ہم جب کسی سے کچھ کہنا چاہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہم کسی دوسرے کرے یا سیارے سے آئے ہوئے ہیں جہاں رہنے والے ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے اور ہر ایک دوسرے کو دیوانہ سمجھتا ہے۔ ان الفاظ کی اہمیت صرف بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے حساس لوگ زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں جہاں مغربی تہذیب کی نقالی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ مغربی تہذیب کی مثال میں اکثر اس لئے دیتا ہوں کہ موجودہ وقت میں ایک تو اس کو ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا ہمارے نوجوانوں اور بالائی طبقے یا نو دولتیوں نے اس کو "ماڈل" کے طور پر اپنایا ہوا ہے۔

مغربی تہذیب نے انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان کا درجہ دیا ہوا ہے۔ ان کے ہاں زندگی صرف اسی مادی دنیا تک ہے مرنے کے بعد سوال و جواب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا اس تہذیب کے تحت ہر شخص نے اپنی "ذات" کو اتنی اہمیت دے دی ہے کہ اس سے دوسرے انسانوں کے لئے قربانی یا ہمدردی کا جذبہ ختم ہو کر رہ گیا ہے اگر ان کے ہاں "سوشل سیکیورٹی سسٹم" رائج ہے تو یہ صرف "خوف" کی بنیاد پر ہے جو کہ "کمیونزم" کے ڈر سے شروع ہوا تھا ورنہ یہ کسی مثبت جذبے یا اعلیٰ انسانی اقدار کی بناء پر نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے سوشل سیکیورٹی سسٹم اور مغربی سسٹم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ورنہ بات اصل موضوع سے ہٹ جائے گی۔

قربانی یا ہمدردی کی بہترین مثال "گھر" ہے جہاں ماں باپ اپنے اوپر سختی جھیل کر اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ والدین اپنے دن رات کا آرام روپے پیسے حتیٰ کہ بعض اوقات جان بھی اولاد کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف مغربی تہذیب نے 2 سو سال پہلے آغاز کیا تو وہاں مشترکہ خاندان کا رواج ختم کر دیا گیا کہ اس سے ہر شخص اپنی خواہشات کے لئے وقت نہیں نکال سکتا تھا بلکہ اس نے سوچنا شروع کیا کہ وہ اپنا وقت' توانائی دوسروں کے لئے خرچ کر ڈالتا ہے۔ لہٰذا چھوٹے خاندان کا رواج جب شروع ہوا تو اس نے اس کے لئے "فیملی پلاننگ" کر ڈالی اور اکا دکا بچوں سے کام چلایا۔ جب یہ بچے بھی اس کے لئے بوجھ بننے لگے تو اس نے صرف "بیوی" کا سوچا۔ بیوی کی خاطر' قربانی دینے کا وقت آیا تو اس نے سوچا کہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔

یعنی اس سے فائدہ تو اٹھاؤ مگر اس کے بدلے کوئی قانونی' اخلاقی پابندی قبول نہ کرو چنانچہ وہاں بغیر شادی کے لوگ رہنے لگے کہ بندھن توڑنے میں آسانی ہو اور ذمہ داری کوئی نہ ہو۔ یوں انسان اپنے "حیوانی جذبات" کی انتہا کو پہنچ گیا۔

اس بیگانگی اور ذمہ داری سے فرار کا نتیجہ "خودکشی" کا ہولناک گراف "ایڈز" کا بڑھتا ہوا طوفان اور شراب و منشیات کا بے تحاشہ استعمال ہے۔ یہ ہے اس دور کی نام نہاد ترقی یافتہ تہذیب کا انجام جس کی بنیاد "ذات" کی "منفی" اہمیت ہے نہ کہ "مثبت"۔ اس میں ایک طاقتور خود غرض فرد کی "آزادی" کے نام پر ہزاروں افراد کی آزادی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ یہ "تہذیب" فرد کی حیوانی خواہشات و جذبات کو قابو میں رکھنے کے بجائے بھڑکانے کا عمل زور و شور سے جاری رکھے ہوئے ہے۔

آیئے دوسری طرف' ہم اپنی کتاب "قرآن مبین" سے رجوع کرتے ہیں اس میں شادی نہ ہو سکنے کی صورت میں ضبط نفس کی ہدایت کی گئی ہے۔ شادی ہو جائے تو بلا ضرورت اولاد پیدا کرنے سے روکا گیا ہے۔ مگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان اپنی توانائی اور وقت' دوسرے انسانوں کی خدمت اور علم حاصل کرنے میں صرف کرے اور یہ حصول علم بھی' انسانیت کے لئے استعمال ہو گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان' دوسرے کے لئے قربانی کیوں دے؟

قرآن کی ساری تعلیمات کا اصل نچوڑ ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو عقلی اور علمی طور پر آمادہ کرتا ہے کہ دوسروں کے لئے زندگی بسر کرنا حقیقتاً اپنی "ذات" کے لئے ہوتا ہے۔ قرآن اس مقصد کے لئے بار بار "عقل" سے غور و فکر اور "تاریخی واقعات" سے سبق حاصل کرنے کی نصیحت کرتا ہے تاکہ "ذات" پر یقین پیدا ہو سکے۔ اس لئے انفس و آفاق میں غور و فکر کی دعوت پر عمل کرنا' قرآن ماننے والوں کے لئے لازمی ہے۔

جب انسانوں کو بطور انسان عزت نہ دی جائے اور ان کا ہر لحاظ یا کسی بھی لحاظ سے استحصال کیا جائے تو قانون قدرت کے نتیجے میں وہاں دوسری قوم لائی جاتی ہے کیونکہ ہر انسان "ذات" کا حامل ہوتا ہے' اسی لئے وہ بطور انسان "عزت" کا مستحق ہے اور جو معاشرہ اس کی "ذات" کے مکمل ہونے کے لئے مواقع اور حالات پیدا نہیں کرتا' وہ قرآن کی نگاہ میں ایک مجرم معاشرہ ہوتا ہے اور اس کی تباہی لازمی امر ہے۔ اس کی تصدیق قرآن میں مختلف انبیاء کے واقعات سے ہوتی ہے۔

قرآن یہ بتاتا ہے کہ جن معاشروں میں "خود غرضی" بنیاد بن جائے تو نہ وہاں انسان ہوتے ہیں اور نہ انسانیت۔ حضرت نوحؑ کی قوم اس لئے تباہ ہو گئی کہ اس میں انسان کی بطور انسان عزت نہیں کی جاتی تھی۔ قوم عاد و ثمود میں سرداروں نے زمینوں پر قبضے کر رکھے تھے اور باقی سب انسان ان کے مزارع تھے جن کی حیثیت غلاموں جیسی تھی۔ قوم شعیب نے ناپ تول میں کمی کر کے دھوکہ' فراڈ کو رواج دے رکھا تھا۔ یعنی اپنے لئے سب کچھ مگر دوسرے کا حق دبا لو۔ یعنی انسان' انسان نہیں بلکہ "گاہک" تھا۔ قوم لوط نے جنسی استحصال کر کے انسانوں کو انسانیت کے درجے سے گرا دیا۔ انسان ایک جنسی کھلونا بن گیا تھا اور اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

قوم موسیٰ کو "اچھوت" بنا کر قوم فرعون کی خدمت گزاری پر لگا دیا گیا۔ یہ سب قومیں "علم و عقل" میں بہت آگے تھیں مگر ان کا نظام زندگی اور تمدن' انسان اور انسانیت کش تھے لہٰذا' سب کچھ ہوتے ہوئے بھی یہ دنیا و آخرت دونوں سے محروم ہو گئیں۔

ہر شخص کو جو "ذات" عطا کر دی گئی ہے وہ ایک حقیقی چیز ہے نہ کہ تصوراتی۔ اس کا تجربہ ہر انسان روزانہ کر سکتا ہے آپ جس وقت سو رہے ہوتے ہیں تو اس وقت آپ کے سارے حواس معطل ہو جاتے ہیں بمعہ "شعور" کے۔ آپ اپنے جسم سے بھی بے خبر ہوتے ہیں آپ کا سانس آپ کے علم کے بغیر چل رہا ہوتا ہے۔ دل کی دھڑکن خود بخود چل رہی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نیند کے دوران' خواب میں آپ اپنی "ذات" کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

نیند سے اٹھنے کے بعد آپ اپنے خواب کو بیان کرتے ہیں کہ "میں" نے یہ کیا۔ "میں" نے یہ دیکھا۔

اس طرح مرنے کے بعد "میرا" "میری" اور "میرے" سب کچھ یہاں رہ جائے گا جبکہ "میں" اپنے سارے تجربات اور حافظہ سمیت ارتقاء کے اگلے مرحلے میں داخل ہو جائے گی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے "ذات" ہر شخص کے ساتھ ہے اور ذات کو اللہ نے الوہیاتی توانائی (Divine Energy) سے نواز رکھا ہے مگر اس کے ساتھ ہی "جذبات" عطا کر دیئے گئے ہیں۔ نتیجے میں انسان ساری زندگی کشمکش میں گرفتار رہتا ہے۔ انسان کے جذبات اس کو زمین کی طرف کھینچتے ہیں جبکہ ذات کی توانائی اس کو آسمان کی طرف اڑاتی ہے اس کشمکش پر قابو پانا ہی انسان کا اصل مقصد ہے بلکہ کامیابی ہے۔ قابو پانے سے ذہن انسانی اس کشمکش سے پاک ہو جاتا ہے تو اس کی "عقل" پرسکون ہو جاتی ہے' بعد میں یہ "سکون" انسان کے "جذبات" میں داخل ہو کر اس کو داخلی کشمکش سے ہمیشہ کے لئے نکال دیتا ہے یوں انسان کو ہر قسم کی سکون آور ادویات اور سائیکو تھراپی Psychotherapy سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

موجودہ علم نفسیات' اس قسم کے تصورات سے خالی ہے وہ صرف عقل اور جذبات کی کشمکش کو تسلیم کرتا ہے اور اس کے گرد ہی اس کا سارا علم گھومتا ہے۔ اس لئے یہ علم' انسان کی مدد ایک حد سے زیادہ نہیں کر پاتا لہٰذا نوع انسانی کو وہ فائدہ نہیں مل رہا جو کہ ملنا چاہئے اسی لئے بعض اوقات خود ماہرین نفسیات بھی انہی نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو کہ اس علم کے ناقص ہونے کا ثبوت ہے۔

انسان اور علم نفسیات نے اگر واقعی ترقی کرنی ہے تو پھر اس کو "قرآن" سے ضرور حقیقی تصورات قبول کرنے ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکریہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھارہ سال بعد اولاد نرینہ سے نوازا ہے جس پر بزم طلوع اسلام لندن کے نمائندہ جناب مقبول محمود فرحت نے اور دیگر بہت سے احباب نے مبارکباد کے خطوط لکھے ہیں۔ میں بذریعہ "طلوع اسلام" ان سب احباب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نیاز کیش

محمد رفیق راجہ' مانٹریال' کینیڈا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سلطان محمود، رنگ محل، لاہور)

کردار سازی

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!

قل لا یستوی الخبیث و الطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث فاتقو اللہ یاولی الالباب لعلکم تفلحون (مائدہ 100)۔

ترجمہ۔ کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تمہیں ناپاک کی کثرت پرکشش ہی لگتی ہو۔ سو عقل مندو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پا جاؤ۔

اس آیت میں جس حقیقت کی طرف نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خبیث اور طیب کبھی بھی اخلاقی سطح پر ایک درجہ نہیں رکھتے۔ اگرچہ خباثت زیادہ جلدی پھلتی پھولتی ہے اور طیب درجہ بدرجہ آگے بڑھتا ہے مگر دونوں میں اصولی فرق ہے پائداری اور ناپائداری کا۔ طیب ہمیشہ پائدار ہوتا ہے اور مستقل رہتا ہے جبکہ خبیث چیز محض وقتی دکھاوا ہوتا ہے اور بہت جلد فنا ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ میں عقل مند لوگوں کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ خبیث چیز کی کثرت تمہیں کہیں اپنی طرف راغب نہ کر لے اس لئے اللہ کے خوف کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور ہمیشہ طیب چیز کو اختیار کرو اسی میں تمہاری فلاح ہے۔

موجودہ معاشرے میں ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو جو خبیث یعنی ناپاک چیز پورے معاشرے میں لہو کی طرح دوڑ رہی ہے وہ ہے فحاشی و عریانی، اخلاق سوز فلمیں، گندے اور گھٹیا لٹریچر پر مشتمل میگزین اور رسالے، بے کار قسم کی کھیلیں اور سب سے بڑھ کر علم دین کی کمی، ان کے ساتھ روزمرہ کے تعلقات اور معاملات میں خیانت، جھوٹ، بہتان، زیادتی، جبر وغیرہ۔ افراد کے کردار شیشے سے بھی زیادہ نازک ہیں کہ ذرا کسی بے راہ روی کا موقع ملے فائدہ اٹھا لیا اور پھر نیک بننے کی کوشش میں لگ گئے۔

معاشرے کے افراد کی کردار سازی دین اسلام کا پہلا مطالبہ ہے اور اس کردار سازی میں پہلا قدم افراد کو فحاشی، بے راہ روی، گندی فلموں، گانوں سے دور کرنا اور ان کے نفس کو خدائی احکامات کے دائرے میں لانا ہے اور یہ پہلا قدم خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تجویز فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطنا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون۔ (سورۃ اعراف 33)۔

ترجمہ۔ کہہ دو میرے رب نے حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ نور پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی

اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں ہو۔ سورۃ اعراف 33-

مندرجہ بالا آیت میں سب سے پہلی چیز جو حرام قرار دی گئی اور جس کو مذہبی لوگ مصلحتاً ناجائز کہہ دیتے اور لفظ کے مفہوم کو ذرا ہلکا بنا دیتے ہیں وہ ہے ظاہری اور باطنی طور پر فحش کام یعنی وہ کام جو برائی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور انہی کاموں سے دوسری برائیاں جنم لیتی ہیں۔ جب انسان یہ کام بلا جھجک کرنا شروع کر دیتا ہے تو وہ دوسرے گناہوں سے بھی نہیں کتراتا اور یہ نفسیاتی کیفیت اسے کسی دوسرے پر ظلم کرنے سے بھی باز نہیں رکھتی وہ شرک پر بھی اتر آتا ہے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے لگ جاتا ہے جو اللہ نے نہیں کہی ہوتیں۔

یعنی برائیوں کی جڑ فحاشی ہے اور عربی لغت میں فحش کا مطلب ہے حد سے تجاوز کر جانا یعنی حدود شکنی۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ہر قسم کی فحش چیز آپ کو اللہ کے قانون کی حدود سے باہر لے جاتی ہے اور اس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

مغربی اور ہندی کلچر نے ہمارے معاشرے میں جس طرح عریانی و بے حیائی کا جال پھیلا رکھا ہے وہ کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں اور ہمارے نوجوان اس جال میں پھنسے جا رہے ہیں' اسی لئے ان کے کردار میں مضبوطی نہیں اور ہر خبیث چیز کو Welcome کہہ کر سینے سے لگاتے ہیں اور اپنی حیثیت کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے مٹی میں ملا رہے ہیں۔

میڈیا خواہ وہ اخباری ہو یا نشری اس چیز کا ذمہ دار ہے اور بہت سا پیسہ نوجوان نسل کے کردار کو کچلنے کے لئے خرچ کیا جا رہا ہے تاکہ ان میں روح محمد ﷺ نہ رہے اور وہ ذلیل و پست مقام پر ہی اپنی زندگیاں تباہ کر کے موت کو گلے لگا لیں۔

اگر انفرادی سطح پر اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والا نوجوان قرآن کو مانتا ہے لیکن اس کے اندر (قرآن) موجود امر و نواہی کو نہیں جانتا یعنی اسے اس چیز کا نہیں پتہ کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے کن پابندیوں کو اپنے اوپر لگانا ہو گا تو میرے خیال میں یہ ان نوجوانوں کا قصور نہیں بلکہ ان کا قصور ہے جو ان کی تربیت کے ذمہ دار ہیں اور اگر آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے تو یہ ان لوگوں کا قصور ہے جو مذہبی معاملات میں لوگوں کو ہدایات دیتے ہیں۔

قصور کسی کا بھی ہو' کردار سازی انفرادی احساس ذمہ داری کے بغیر ممکن نہیں۔ جب تک نوجوانوں کو بتایا نہ جائے گا کہ قرآن مجید ان کی کسی بھی اختیار کی گئی روش کے متعلق کیا کہتا ہے اس وقت تک نوجوان نسل اپنی روش ترک نہیں کرے گی بشرطیکہ وہ واقعی قرآن میں موجود احکامات کو اللہ کے احکامات تصور کریں۔

اور اگر قرآن کو محض ثواب اور تعویزات کی غرض سے پڑھا جائے تو یہ ممکن نہیں کہ ان کی کردار سازی کی جا سکے۔ مندرجہ ذیل آیتیں صرف ان نوجوانوں کے لئے ہیں جو واقعی اپنے آپ کو مسلمان کے درجے پر رکھنا چاہتے ہیں اور قرآنی آیات کو بسر و چشم قبول کرنے کی جرات رکھتے ہیں۔

و ذر الذین اتخذوا دینھم لعبا و لھو و غرتھم الحیوۃ الدنیا و ذکر بہ ان تبسل نفس بما کسبت لیس لھا من دون اللہ ولی ولا شفیع وان تعدل کل عدل لا یوخذ منھا اولئک الذین ابسلوا بما کسبو لھم شراب من حمیم و عذاب الیم بما کانو یکفرون۔
(سورۃ الانعام 70)-

ترجمہ۔ اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے

انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا مددگار ہو نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کے لئے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لئے ہو گا اور درد ناک عذاب ہو گا اپنے کفر کے سبب۔

مندرجہ بالا آیت میں دین کو سنجیدگی سے نہ لینے والوں کو وعید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ یہ کنارہ کشی اس وقت ہو جب قرآن کے ذریعے نصیحت کرنے کے باوجود وہ لوگ نہ سمجھیں۔ اس لئے پہلا کام تو دین کو سنجیدگی سے لینے کا ہے نہ کہ محض ہوائی قلعے تعمیر کرنے کا اور محض باتوں میں وقت ضائع کرنے کا۔

پھر ہر لہو چیز سے اپنے آپ کو بچانا' اپنے روح و دماغ کو محفوظ رکھنا کیونکہ لہو چیز گمراہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے سورۃ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن الناس من یشتری لهوا الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم و یتخذها هزوا اولئک لهم عذاب مهین۔ (6)۔

اور لوگوں میں بعض ایسا شخص ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے رستے سے گمراہ کرے اور خدا کے رستے کو مذاق بنا لے یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔

یوں سمجھ لیجئے کہ بے ہودہ چیزوں پر اپنا مال خرچ کرنا اپنے آپ کو گمراہیوں کی دلدل میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ اس طرح جو لوگ اپنا پیسہ برباد کرتے ہیں ایک تو وہ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا بھی باعث بنتے ہیں اور اللہ کے احکامات کا مذاق بھی اڑا رہے ہوتے ہیں۔

اب اگر ہم اپنے موجودہ معاشرے کا جائزہ لیں تو کیا یہ نظر نہیں آتا کہ کس قدر روپیہ لہو چیزوں پر خرچ کیا جاتا ہے اور پھر مسلمانی کے دعوے بھی کئے جاتے ہیں۔

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے
تم ہی بتلاؤ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ایک مسلم معاشرے میں اس طرح پھلنا پھولنا کردار کی ناپختگی کی علامت ہے کیونکہ افراد نے احساس ذمہ داری سے ہاتھ اٹھا رکھا ہے مسلمانی صرف نام کی حد تک رہ گئی ہے۔ مسلمان اب نظریات کو ہی اپنی بقا کے لئے کافی سمجھتا ہے اور اگر عمل کرتا بھی ہے تو بے روح۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی

دین اور دنیا کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے کچھ احکامات مان لئے اور کچھ سے انکار کر دیا حالانکہ یہ شیوہ تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا بتایا ہے۔ آیت مبارکہ ہے۔

افتومنون ببعض الکتب و تکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزی فی الحیوة الدنیا و یوم القیمة یردون الی اشد العذاب و ما الله بغافل عما تعملون۔ (سورۃ بقرہ 85)۔

ترجمہ۔ تم کتاب خدا کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے غافل نہیں۔

خدا تو مسلمانوں سے یہ کہتا ہے کہ۔

یایها الذین امنوا ادخلو فی السلم کافة ولا تتبعوا

خطوت الشیطن انه لکم عدو مبین۔ (سورۃ بقرہ 208)۔

ترجمہ۔ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

یعنی مطالبہ پورے پورے داخل ہونے کا ہے اگر بیچ میں لٹک گئے تو دنیا میں بھی رسوائی ہو گی اور قیامت کے دن بھی عذاب ہو گا۔ دنیا میں رسوائی تو ہم کو نظر آرہی ہے یقیناً قیامت کے دن بھی سخت عذاب ہو گا۔ کیونکہ قرآن کا بیان ہے۔

ومن کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی و اضل سبیلا۔ (سورۃ بنی اسرائیل 72)۔

ترجمہ۔ اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور (نجات کے) رستے سے بہت دور۔ ان آیات کی روشنی میں ہمیں اپنے کردار کا بحیثیت مسلمان جائزہ لینا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں' یہ معاملہ ہے Self Analysis کا۔ اگر تو ہم نے کردار میں مضبوطی پیدا کرنی ہے اور جذبہ ایمانی کو نئے سرے سے اجاگر کرنا ہے تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ کے بتائے ہوئے رستے پر چلنا ہو گا۔ اپنے زاویہ نگاہ میں تبدیلی پیدا کرنا ہو گی۔ شیطانی حیل و حجت سے بچنا ہو گا اور فحاشی و عریانی کو اپنے معاشرے کی جڑوں سے کاٹ کر پھینکنا ہو گا۔

یاد رکھیں مضبوطی کردار میں یہ پہلا قدم ہے۔ اگر یہ قدم ہم ہمت و استقامت سے اٹھا لیں تو آگے چلنا ہمارے لئے آسان ہو گا۔ مشکل تو بہرحال پیش آئے گی لیکن اگر پائے استقامت برقرار رہے تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ قرآن کا فیصلہ ہے کہ

ان مع العسر یسرا (94:5)۔

ترجمہ۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔

اگر یہ قدم آپ نے اٹھا لیا تو بعد میں دوسرے احکامات کی بجا آوری میں آپ کو تنگی نہ ہو گی۔

ایک آیت اور دیکھ لیں جو ایک طرح کی بشارت ہے۔

والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا کذالک نصرف الایات لقوم یشکرون۔ (7:58)۔

ترجمہ۔ جو زمین پاکیزہ ہے اس میں سے سبزہ بھی پروردگار کے حکم سے نفیس ہی نکلتا ہے اور جو ناپاک ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے اس طرح ہم آیتوں کو شکر کرنے والوں کے لئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔

یعنی پاکیزہ کردار سے پاکیزہ پود ہی پیدا ہوتی ہے اور ناپاک کردار سے ناپاک پود۔ قرآن نے ان برائیوں سے چھٹکارا پانے کا بہترین حل بھی بتا دیا ہے اور وہ ہے نفسیاتی تبدیلی بحیثیت فرد اور بحیثیت قوم اور مندرجہ ذیل آیت اس حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے۔

ان الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم۔ (سورۃ رعد 11)۔

ترجمہ۔ اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اس کو نہ بدلے جو ان کے دلوں میں ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس تبدیلی کی عمارت اللہ اور روز آخرت پر پختہ ایمان کی بنیادوں پر کھڑی ہو گی۔ یہی ایمان احساس ذمہ داری پیدا کرے گا اور اسی کی بدولت مومن کی شخصیت فولاد بنے گی۔ ہمیں اپنے دل و نگاہ کو مسلمان کرنا ہو گا کیونکہ ۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

برائی کے خلاف اپنے لہو کو گرمانا ہو گا اپنے دل و دماغ کی بے حسی کو ایمانی جذبات کے تلاطم سے ختم کرنا ہو گا

تب کہیں جا کر اس قوم کی تقدیر بدلے گی۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یقین ہی وہ دولت ہے جو مسلمان کو مسلمانی کے فرائض سے ہمکنار کرتی ہے اگر یقین و ایمان نہ ہو تو ہم اسی طرح جامد و ساکت پڑے رہیں گے اور اپنے حال پر مطمئن رہیں گے۔ آخرت میں جواب دہی کا احساس ہی یہ سب کچھ کرائے گا۔ شیطان کے مکر و فریب میں نہ آئیں کیونکہ اس نے تو رب کی قسم کھا رکھی ہے کہ وہ اولاد آدم کو گمراہ کرے گا۔ (سورۃ اسراء 65)۔ اپنے کردار کو پاکیزہ بنایئے اور ناپاکی سے دور رہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (ترجمہ) تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے پس ان سب کو اکٹھا ڈھیر کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ایسے لوگ پورے خسارے میں ہیں۔ سورۃ انفال 38-

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکالنا سراسر غلط ہے کہ ہم ٹی وی، وی سی آر کو ختم کر دیں۔ یہ چیزیں بذات خود بری نہیں ہیں بلکہ ان کا استعمال برے طریقے سے ہو رہا ہے ہمیں ان چیزوں کا استعمال اچھے اور عمدہ طریقے سے کرنا ہے کیونکہ موجودہ ٹیکنالوجی کے دور میں ان کے بغیر انسان ترقی نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عطیات برائے کراچی بزم آفس بلڈنگ پراجیکٹ

نمبر شمار	معطیان	رقم
-1	محترم طلعت محمد (کراچی)	5500 روپے
-2	محترم عبداللہ ثانی، (پشاور)	1000 روپے
-3	محترم چوہدری نثار احمد، (راولپنڈی)	1000 روپے
-4	محترم احمد علی، (اوکاڑہ)	100 روپے
-5	محترم ڈاکٹر محمد اسلم نوید، (بورے والا)	1000 روپے (ماہوار کا وعدہ)
-6	محترم مقبول محمود فرحت، (لندن)	75000 روپے (وعدہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الاشعری)

درود کا قرآنی مفہوم

(نامور فرانسیسی عالم موسیو گاسٹن گار نے اسلام کی حقانیت پر بحث کرتے ہوئے کہا)
"جو لوگ موجودہ زمانے کے لئے قرآن کو مکمل قانون تسلیم نہیں کرتے ان مفکرین کو چاہئے کہ وہ اپنے گریبان میں جھانکیں کہ وہ اپنے ٹکسالی نظریات سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غداری تو نہیں کر رہے؟"

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرف انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے' وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اب اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعل راہ کی ضرورت اور کسی ہادی طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس و اعظمؐ کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ ہر خبیرو بصیر پکار اٹھتا ہے کہ:

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰؐ رو

ہمارا ایمان :- ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس قرآنی نظام کے سوا جسے حضور رحمتہ للعالمینؐ نے ساری دنیا کے لئے وجہ شادابی قلب و نگاہ بنایا تھا۔ انسان کے لئے نجات و سعادت کی کوئی راہ نہیں۔ لیکن ہم نے اس قرآن کو غلافوں میں لپیٹ کر رکھ چھوڑا ہے اور اپنی راہ نمائی کے لئے دوسرے دروازوں پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ کیا ایمان اسی کو کہتے ہیں؟ ہم نے اس سحاب کرم کی طرف سے اپنے لب بند کر کے' دنیا کے ہر چشمہ تہذیب و تمدن کو آزما کر دیکھ لیا۔ کیا کہیں سے آب حیات کی ایک بوند بھی ہمارے لئے وجہ سیرابی ہوئی؟ کیا اس کے بعد بھی وقت نہیں آیا کہ ہم پھر اسی ابر نیساں کی طرف رجوع کریں جن کی گہر افشانیوں نے ایک بار ہماری زمین مردہ کو اس طرح زندگی اور شادابی عطا کی تھی کہ اس سے ساری دنیا پر بہار آگئی تھی۔

مسلمان' قرآن' نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ اپنی نسبت ضرور رکھتے ہیں لیکن نسبت رکھنے اور ایمان رکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے اصولوں کو زندگی کا نصب العین بنایا جائے اور اس ضابطہ حیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اس کی وضاحت قرآن نے اس مقام پر کر دی جہاں حضورؐ کو رحمت العالمین کہا ہے۔ فرمایا

قل انما یوحی الی انما الھکم الہ واحد فھل انتم مسلمون ○ (21:108)-

(اے رسولؐ!) ان سے کہہ دو کہ میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارا الٰہ' جس کے قوانین کی اطاعت اختیار کرنی چاہئے صرف ایک (خدائے واحد) ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہو"۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا سر قرآن کے سامنے خم ہے' یا اس سے سرکشی برتتے ہوئے' اپنے خود ساختہ قوانین و ضوابط کے سامنے؟ غیر مسلم تو قرآن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ :

"اس کی تعلیم کسی مقام پر بھی ناکام ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے تمام نظامہائے تمدن کے باوجود اس کی حد سے آگے نہیں جا سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں جا سکتا"۔ (گوئٹے کا خط ایکرمن کے نام)

اقوام عالم کے لئے رحمت:- وہ نظام جسے رحمت للعالمینؐ کے مقدس ہاتھوں نے متشکل فرمایا۔ اس کا اصل الاصول کیا تھا؟ قرآن میں ہے کہ:

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ○ (21:105)۔

"ہم نے ہر آسمانی کتاب میں' اخلاقی اقدار و ضوابط بیان کر دینے کے بعد لکھ دیا تھا (اور اب اس بنیادی حقیقت کو قرآن میں دہراتے ہیں) کہ زمین کا نظم و نسق' صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں رہنا چاہئے جن میں اس کی صلاحیت ہو"۔

آپ غور فرمایئے! کہ قرآن نے اس مختصر سے ٹکڑے میں کتنے بڑے انقلاب کا اعلان کیا ہے جس سے نظم و نسق اور اقتدار و اختیار کے تمام سابق معیار (جس کی لاٹھی اس کی بھینس) الٹ کر ان کی جگہ صرف صلاحیت نے لے لی۔

ان فی ھذا لبلغا لقوم عبدین ○ (21:106)۔

"اس انقلاب آفرین اصول میں' اس قوم کے لئے جو قوانین الٰہیہ کی محکومی اختیار کرے' ایک بڑی دور رس حقیقت پوشیدہ ہے"۔

اس کے بعد ہے:

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین ○ (21:107)۔

"یوں اے رسولؐ! تمہاری بعثت تمام اقوام عالم کے لئے وہ قالب' وہ ذریعہ' وہ (Pattern) بن جاتی ہے جس کے اندر رہتے ہوئے افراد انسانیہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکتی ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں انسانی صلاحیتوں کی نمود نظر آتی ہے یہ صدقہ ہے اس "رحمت" کا جسے تمام اقوام عالم کے لئے عام کر دیا گیا ہے۔ دنیا قرآنی اصولوں اور اس کی روشنی میں متشکل کردہ قرآنی نظام کے کئی ایک گوشوں کو اپنا چکی ہے۔ بعض کو اپنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور باقی گوشے ایسے ہیں جنہیں یہ مستقبل میں جا کر اپنائے گی' اس لئے کہ ان کے بغیر انسانی صلاحیتیں اپنی نشوو ارتقاء کی آخری حد تک پہنچ سکتی ہیں نہ حسن کائنات میں نکھار پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا' بزم ہستی میں جہاں کوئی پھول مہکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اسی جان بہار کی نکہت باریوں کا رہین منت ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

آزادی کا مفہوم:- اسلام کا خدا' رب العالمین (1:1) اس کا ضابطہ قوانین (قرآن)' **ذکر للعالمین** (38:88)۔ اور اس کا رسولؐ' **رحمۃ للعالمین** (21:107)۔ اس میں رنگ' نسل' خون' زبان' وطن کی' کوئی تخصیص اور تمیز نہیں۔ اور خدا کا آخری نبی ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا۔ سورۂ ابراہیم کی پہلی آیت ہے کہ:

کتب انزلنہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید ○ (14:1)۔

"یہ قرآن ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ اس کے ذریعے تو نوع انسان کو ظلمت (تاریکیوں) سے نکال کر نور (روشنی) کی طرف لے آئے (اور) ان کے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق انہیں زندگی کے اس توازن بدوش راستے پر ڈال دے جو جلال و جمال' غلبہ و قوت' اور حسن و تزئین سب کچھ عطا کر دیتا ہے' کیونکہ وہ اس خدا کی طرف لے جانے والا راستہ ہے جو ان تمام صفات کا مالک ہے"۔

اس آیہ جلیلہ میں قرآن کی خصوصیت یہ بتائی کہ اس کے ذریعے نوع انسان ظلمت سے نور کی طرف آسکتی ہے۔ ظلمات (تاریکیاں) جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ جس سے مراد ہر قسم کی تاریکیاں ہیں۔۔۔ عقائد و تصورات کی تاریکیاں' رسوم و

مناسک کی تاریکیاں' تمدن اور معاشرت کی تاریکیاں۔ سیاست اور معیشت کی تاریکیاں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر گوشے کی تاریکی سے روشنی کی طرف لے آنے والی کتاب۔ ان تاریکیوں کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات میں دی گئی ہے۔ لیکن خود ہی اسی سورہ میں' تین آیات بعد' ایک ایسا ٹکڑا آتا ہے جس نے ساری بات کو واضح کر کے رکھ دیا اور نکھار کر سمجھا دیا ہے کہ ظلمات کسے کہتے ہیں اور نور کیا ہوتا ہے۔ فرمایا:

ولقد ارسلنا موسی بایتنا ان اخرج قومک من الظلمت الی النور (14:5)۔

"ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام و قوانین دے کر بھیجا اور اس سے کہا کہ وہ ان کے ذریعے اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لے جائے"۔

قرآن کی اس آیت نے خود بتایا کہ قوموں کی زندگی میں ظلمات کسے کہتے ہیں اور وہ نور کی وادی میں کس طرح داخل ہوتی ہیں۔ فرعون کی محکومیت میں قوم بنی اسرائیل جس قسم کی زندگی بسر کر رہی تھی اسے ظلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ قرآن میں اس داستان الم انگیز کی تفاصیل ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ ضابطہ خداوندی کے مطابق اس قوم کو فرعون کی محکومیت سے نکال کر سینا کی ان وادیوں میں لے آئے جہاں ان کے اور ان کے خدا کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ تھی اور جہاں انہیں اس امر کی پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ خدا کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اس کو قرآن نے نور سے تعبیر کیا ہے۔

نزول ملائکہ کا مفہوم:۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کے متعلق کہا ہے کہ ان کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ قرآن کے ذریعے پوری کی پوری نوع انسانی کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں گے۔ ظاہر ہے قرآن کے اس دعویٰ کا عملی تجربہ نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔ آپؐ نے اپنی قوم کی تربیت قرآن کی روشنی میں کی اور ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ قوم کس طرح ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آگئی۔ یہ کچھ کیسے ہوا تھا؟ قرآن اور تاریخ میں اس کی تفاصیل موجود ہیں۔ ان کا ماحصل یہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے یقین محکم اور عمل پیہم سے باطل کی ہر قوت کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دیکر فاتح اور منصور آگے بڑھتے چلے گئے تاآنکہ عہد جاہلیت کی تمام انسانیت سوز تاریکیاں ایک ایک کر کے چھٹ گئیں اور زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھی۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جو قوم قوانین خداوندی کے مطابق چلتی ہے کائناتی قوتیں (جنہیں قرآن ملائکہ کہہ کر پکارتا ہے) بھی اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ کائناتی قوتوں میں کچھ تو وہ ہیں جو طبعی دنیا سے متعلق ہیں اور جن کی تسخیر سے انسان' حدود فراموش قوتیں حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ کچھ قوتیں اس کی نفسیاتی دنیا سے متعلق ہیں۔ قانون خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے یہ قوتیں بھی انسان کا ساتھ دیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا سینہ تضادات (Contradictions) کی رزمگاہ بننے کی بجائے سکون و طمانیت کی جنت بن جاتا ہے۔ اسے قرآن ملائکہ کی تائید کہتا ہے۔

ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ○ (41:30)۔

جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں' اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہیں کرتی تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (خدا کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور ان کے لئے باعث تقویت بنتی ہیں 33:43) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لئے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے"۔ (46:13)۔

ملائکہ کے نزول کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے دل سے خوف و حزن جاتا رہتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں (کیونکہ خوف

و حزن کا جاتے رہنا تو محض منفی نتیجہ Negative Result ہے)۔ بلکہ مثبت (Possitive) کامرانیاں اپنی انتہائی درخشندگی و تابناکی سے ان کے سامنے آجاتی ہیں اور ملائکہ ان سے کہتے ہیں:

نحن اولیو کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ (41:31)۔

"ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے"۔

(اس لئے تمہیں یہ جنتی زندگی' اس دنیا میں بھی نصیب ہو گی اور آخرت میں بھی)۔

جماعت مومنین کا فریضہ:۔ یہی تھی ملائکہ کی وہ تائید جو جماعت مومنین کو بدر کے میدان میں حاصل ہوئی تھی' (8:12)۔ سورۃ الاحزاب میں مومنین کے بارے میں ہے کہ:

ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخر جکم من الظلمت الی النور وکان بالمومنین رحیما (33:43)۔

"اے جماعت مومنین! خدا اور اس کے ملائکہ تم پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں اور ان کی تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ تاکہ وہ ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ مومنین پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ وہ ان کی پوری پوری نشوونما کرتا ہے اور ان کی کوششوں کے بھرپور نتائج سے نوازتا ہے"۔

یہ کچھ کس طرح ہوتا ہے؟ اس کا جواب اس سے پہلی دو آیات میں ہے جہاں کہا ہے کہ:

یایھا الذین امنوا اذکر اللہ ذکرا کثیرا ۝ وسبحوہ بکرۃ واصیلا ○ (33:41-42)۔

"اے جماعت مومنین! تم قوانین خداوندی کو ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اس طرح کہ وہ کبھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں اور اس کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل میں صبح و شام (ہمیشہ اور مسلسل) سرگرم عمل رہو۔ تم ایسا کرو تو اس کے بعد تم دیکھو گے کہ خدا اور اس کے ملائکہ کی تائید اور نصرت کس طرح تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم کس طرح ظلمات پر قابو پا کر اپنی زندگی کو نورانیت میں لے آتے ہو"۔

یہ ہے برادران اسلام! خدا اور ملائکہ کی تائید و نصرت جو جماعت مومنین کو حاصل ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے جہاد مسلسل سے "ظلمات سے نور" کی طرف آجائیں۔

صلوا علیہ کا عملی مفہوم:۔ یہ تو جماعت مومنین کے لئے کہا۔ اور اسی چیز کو نبی اکرمؐ کے لئے خصوصیت سے دہرایا جہاں فرمایا:

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی (33:56)۔

"اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں۔ ان کی تائید و نصرت رسولؐ اللہ کے ساتھ ہے۔"

یایھا الذین امنوا صلوا علیہ..... (33:56)۔

"اے جماعت مومنین! تم بھی ایسا کرو کہ تمہاری تائید و نصرت رسولؐ اللہ کے ساتھ رہے۔"

یہ وہی چیز ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ:

فالذین امنوا بہ و عزروہ و نصروہ (7:157)۔

"وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لائیں اور عظمت مندانہ انداز سے اس کی تائید و نصرت کریں۔"

سورہ فتح میں ہے:

لتومنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا (48:9)۔

"جماعت مومنین اس نظام خداوندی کی حکمیت پر کامل یقین رکھے جو اس کے رسول کی وساطت سے متشکل ہو رہا ہے اور اس کے قیام اور استحکام کے لئے اس (رسول) کی مدد کرے۔ اور اس کی عظمت و توقیر کو بلند کرے اور اس مقصد کے لئے ہر وقت کوشاں اور سرگرداں رہے"۔

اب سوال یہ ہے کہ جماعت مومنین۔۔۔ صلوا علیہ۔۔۔ کا فریضہ کس طرح کرے؟ اس کا جواب خود قرآن نے اس مقام پر دے دیا جہاں فرمایا کہ:

صلوا علیه و سلموا تسلیما (33:56)۔

"وہ اپنی تائید و نصرت رسول کے ساتھ رکھیں یعنی اس کی کامل اطاعت کریں"۔

یہ ہے براوران اسلام' صلوا علیہ کا عملی مفہوم۔ اس مقام پر قرآن نے اطاعت کے لئے سلموا تسلیما کہا ہے۔ اس کی تشریح دوسرے مقام پر یوں کر دی:

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (4:65)۔

تیرا نشوونما دینے والا اس حقیقت پر شاہد ہے کہ لوگ اپنے دعویٰ ایمان میں کبھی سچے نہیں ہو سکتے جب تک ان کی عملاً یہ حالت نہ ہو کہ اپنے تمام متنازعہ فیہ امور میں تمہیں (اے رسولؐ) حکم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تو دے اس کے متعلق اپنے دلوں کے اندر بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں۔ اور اس طرح یہ تیری پوری پوری اطاعت کریں۔

یہ ہے مفہوم۔۔ سلموا تسلیما۔۔ کا۔ اس مقام پر یہ کہا اور سورہ اعراف میں فرمایا:

و اتبعوا النور الذی انزل معه' (7:157)۔

"مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس رسولؐ کی تائید و نصرت کریں یعنی اس کتاب کی اتباع کریں جو اس پر نازل کی گئی ہے"۔

اس سے آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ۔۔ **یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما** (33:56)۔ ایک بہت بڑا پروگرام تھا (اور ہے) جس سے مراد ہے جماعت مومنین کی طرف سے پوری پوری اطاعت اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جماعت خود بھی ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آجائے اور اس کے بعد تمام نوع انسان کو نور کی طرف لے آئے۔ ظاہر ہے بھائیو! کہ یہ پروگرام چند الفاظ کے دہرانے سے تو پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو مسلسل جہاد چاہتا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں جماعت مومنین سے کہا گیا کہ:

ان الذین یوذون الله و رسوله' لعنهم الله فی الدنیا والاخرة (33:57)۔

"جو اللہ اور رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں نعمائے خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں"۔

یہاں "سلموا تسلیما" کے برعکس "یوذون" آیا ہے۔ لہٰذا' خدا اور رسولؐ کو ایذا دینے کے معنی ہیں ان کی سرکشی اور معصیت' عدم اطاعت۔ یہ بعینہ وہ چیز ہے جو بنی اسرائیل نے کی تھی۔ چنانچہ چند ہی آیات آگے چل کر اس کی تشریح کر دی۔ جہاں فرمایا کہ:

یایها الذین امنوا لا تکونوا کالذین اذ و موسیٰ..... (33:69)۔

"اے جماعت مومنین! دیکھنا کہیں تم اس قوم کی طرح نہ ہو جانا جس نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی"۔ قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے احکام و ہدایات کی نافرمانی کی تھی۔ اس کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

یاد رکھئے! جسے ہمارے ہاں "درود شریف" کہا جاتا ہے وہ مجاہدانہ سعی و عمل اور جانفروشانہ اطاعت و فرمان پذیری کا ایک عملی پروگرام ہے۔ اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھئے' کہ خدا کی کتاب' جماعت کو کچھ کرنے کا پروگرام دینے کے لئے آئی ہے۔ جب قوم سے قوت عمل جاتی رہی تو رفتہ رفتہ کرنا' پڑھنے میں بدلتا چلا گیا۔ اور اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے۔۔۔ وا ماندگیٔ شوق تراشے ہے پناہیں!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(علی محمد چدھڑ، گوجرانوالہ)

تذکرہ ایک معروف کتاب کا

(اسلامی ریاست قرآن و سنت کی روشنی میں) یہ ایک خوبصورت کتاب کا بہت بڑا نام ہے۔ جسے علماء اکیڈیمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور نے بڑے اچھوتے انداز میں شائع کیا ہے۔ جناب سید شمیم حسین قادری سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ مذکورہ کتاب کے مصنف ہیں۔ ایک جانی پہچانی شخصیت کے مالک ہیں جن کے دقیق قانونی مطالعہ اور وسیع تجربہ سے کوئی قاری بھی انکار نہیں کر سکتا۔ قادری صاحب نے اپنی اس تصنیف کے لئے بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ بہ ایں ہمہ کتاب کی ورق گردانی کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ جو کچھ اس میں دیا گیا ہے اس کی تائید کتاب اللہ سے کہاں تک ثابت ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے متن کی چند جھلکیاں مختصر سے تبصرہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

1- "مال و دولت کے جمع کرنے کے متعلق جب 9:34 قرآنی آیت نازل ہوئی تو یہ صحابہ کرام پر گراں بار ثابت ہوئی کہ ہم میں سے ہر شخص کچھ نہ کچھ تو بچا کر رکھتا ہے۔ آپؐ نے یہ وضاحت فرمائی کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں رہتا۔ تب جا کر صحابہ کرام کو کچھ اطمینان ہوا"۔ (الموافقات شاطبی ص 12) کتاب کا صفحہ 153-

خدا کا حکم اور رسولؐ اللہ کی زبان مبارک سے اور صحابہؓ کرام کو گراں گزرے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ اس کا تو کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ ایک وضعی روایت ہے۔ جو ایتائے زکوٰۃ کا مفہوم تو ادا نہیں کرتی۔ البتہ یوں لگتا ہے کہ کتاب میں شامل کرتے وقت قرآن کریم کے علاوہ، حضور نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کرام کے صحیح مقام و مراتب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ وہ خدا کی ایسی عظیم ہستیاں تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ہی جنت کی خوش خبری دے دی تھی اور جن کے متعلق کتاب اللہ میں ارشاد ہوا کہ "وہ محمد الرسولؐ اللہ کے ساتھی اور رفقاء کار ہیں جن کے ہاتھوں سے خدا کا نظام قائم ہو گا۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حق کے مخالفین کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ہیں لیکن باہم دگر بڑے ہی نرم دل اور ہمدرد (5:54)- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت محض سرمایہ داری کے جواز کے لئے گھڑی گئی ہے۔ جبکہ آیت مقدسہ 9:34 میں صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کھلا نہیں رکھتے اے رسول! تو انہیں الم انگیز عذاب کی بشارت سنا دے" یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں کوئی استثنیٰ نہیں ہے۔

مذکورہ کتاب میں زکوٰۃ کی شرح کے عنوان کے ساتھ لکھا ہے۔

2- **زکوٰۃ کی شرح** :- قرآن کریم میں ہے "اور جن کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا ایک جانا ہوا (طے شدہ حصہ) مقرر ہے" (70:24-25) "گویا یہ مقررہ حق وحی کے ذریعہ طے شدہ ہے۔ مگر اس کا ذکر قرآن میں کہیں

نہیں" صفحہ 137-

اس آیت قرآنی میں فاضل مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی شرح مقرر کر دی ہے۔ لیکن اسے قرآن میں کہیں نہیں دیا۔ بلکہ اس کی اڑھائی فیصد شرح اور نصاب وغیرہ کو حدیث یعنی وحی خفی میں بتا دیا ہے۔ اوپر کے ترجمہ سے بات واضح نہیں ہوئی بلکہ مزید الجھ گئی ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ہم جناب محمد احمد خاں صاحب کے ترجمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو لکھتے ہیں "اور وہ جن کے مال میں ایک معلوم حق ہے اور اس کے لئے جو مانگے اور جو مانگ بھی نہ سکے تو محروم رہے۔"

سائل کے بنیادی معنی ضرورت مند کے ہوتے ہیں اور محروم جو کمانے کے قابل نہ رہیں اور اس طرح اپنی ضروریات زندگی سے محروم رہ جائیں۔ مال دار کے مال میں سائل و محروم کا حق ضرور ہے۔ لیکن وہ جانا ہوا اور معلوم ہے مقرر نہیں۔ ضروریات کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ قرآن نے سورہ الذاریات میں اسی مسئلہ پر مزید وضاحت کر دی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ "ان کی عملی زندگی یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی محنت کی کمائی کو صرف اپنی ذات کے لئے مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس میں ہر اس شخص کا حق ہوتا تھا جس کے پاس اس کی ضرورت سے کم یا جو بالکل کما سکنے کے قابل نہ ہو" (51:18-19)۔ آپ نے دیکھا ہو گا یہاں نہ وہاں دونوں آیات میں زکوٰۃ کا ذکر تو کجا اشارہ تک نہیں ملتا۔ البتہ بھلا ہو جناب اشرف علی تھانوی کا جنہوں نے آیت کا ترجمہ لکھنے کے بعد سارا ابہام ہی ختم کر دیا۔ متعلقہ آیت کے سامنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں "یعنی ایسے التزام دیتے تھے کہ جیسے ان کے ذمہ ان کا کچھ آتا ہو۔ مراد اس سے غیر زکوٰۃ ہے۔ بات صاف ہو گئی۔ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کی گئی ہے جو اس نے نہیں کی۔ قرآن نے ہمیں ایسی حرکت سے منع فرمایا ہے۔ (39:32)

افسوس کا مقام ہے کہ ہماری تقلیدی روش اور اسلاف پرستی کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ جو بات قرآن مجید میں موجود ہے اس سے تو منہ موڑ لیتے ہیں اور جو وہاں نہیں ہے جوش عقیدت میں اسے چوم چاٹ کو آنکھوں پہ لگا لیتے ہیں۔ ایک طرف تقلید کو اولیٰ و ارفع اور باعث برکت قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف اجتہاد کو بھی دین کامل سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اسلام بطور دین نافذ ہو۔ جب وہ مذہب کی صورت اختیار کر جائے تو تقلید کی چادر پر اجتہاد کے ٹانکے لگانا چہ معنی دارد۔

یاد رہے کہ اپنے آباء کی تقلید کرنے والوں کو قرآن بہرے۔ گونگے اندھے اور عقل و فکر سے کام نہ لینے والے قرار دیتا ہے۔ ان کے ہاں غلط نظام کی سند ان کے اسلاف کا طریقہ ہے جبکہ غلط اور صحیح حق اور باطل کی سند و معیار صرف یہ ہے کہ خدا کی کتاب کا کیا فیصلہ ہے۔ یہ صرف تقلیدی عنایات کا کرشمہ ہے کہ ہم انسان اور خود خدا کے تصور بلکہ فرق سے ہی عاری ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب کے دیباچہ صفحہ 5 پر تحریر ہے کہ "حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور انسان کو اللہ کریم نے اشرف المخلوقات کا درجہ دیکر اپنا نائب مقرر کیا ہے"۔ ہمارے خیال میں نائب کا یہ مفہوم درست نہیں ہے۔ ایک تو اس لئے کہ خلیفہ یا جانشین ہمیشہ کسی کی غیر موجودگی میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ آدم کو جو خلیفہ فی الارض کہا گیا ہے تو اولاً اس اعتبار سے کہ انسان اس مخلوق کا جانشین ہے جو اس سے پہلے زمین میں آباد تھی جیسا کہ (6:134 اور 15:27) میں کہا گیا ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ زمین میں انسان کو بڑے اختیارات کا مالک بنایا گیا ہے۔ کائنات کی ہر شئے اس

کے لئے تابع تسخیر کر دی گئی ہے۔ یہ ہے صحیح مفہوم خلیفہ فی الارض کا۔ اسی سلسلہ میں ہمیں چاہئے کہ آیت نمبر 38:26 کو بھی دیکھ لیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ "اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے معاملات کے فیصلے حق کے ساتھ کرو۔

3- حضور اکرمؐ پر وحی کیسے نازل ہوتی تھی :- فاضل مصنف ایک تھرڈ پرسن سید انور کاشمیری کے حوالے سے لکھتے ہیں "شعور روح کو جسم مادی سے عالم قدس کی طرف کھینچ لیا جاتا ہے۔ پھر اس پر اللہ کا کلام (نازل ہو) جاتا ہے۔ انہوں نے تو اس کی تائید قرآن کریم کی کچھ آیات سے بھی کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جس مسئلہ کے متعلق ذہن صاف نہ ہو اس کے ذکر سے اجتناب ہی مناسب ہے۔

اور اسی سلسلہ میں مزید کچھ۔

صحیح بخاری کے حوالے سے :- وحی سے پہلے آپ کے کان میں گھنٹی بجنا شروع ہو جاتی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی توجہ تمام امور سے ہٹ جائے۔ اس گھنٹی کے بعد فرشتہ آپ سے بات کرتا تھا۔ یہ وحی کی مشکل اور شدید ترین شکل تھی جس سے سخت جاڑے میں بھی پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر آپ اونٹ پر سوار ہوتے تو وہ بوجھ کے مارے بیٹھ جاتا۔ ایک دفعہ اس حال میں وحی آئی کہ آپ حضرت زیدؓ بن ثابت کے زانو پر سر رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت زید پر اتنا بوجھ پڑا کہ ان کی ران ٹوٹنے لگی تھی۔ صفحہ 133-

وحی کے نزول کا تعلق کسی مادی کیفیت سے نہیں ہوتا۔ کیسے نازل ہوتی تھی وحی کی کنہ و حقیقت کیا ہے۔ وہ قلب نبوی پر کس طرح نازل ہوتی ہے۔ وہ خدا سے کس طرح ملتی ہے اس کے متعلق کوئی غیر از نبی کچھ نہیں جان سکتا۔ حتیٰ کہ خود نبی کو بھی وحی ملنے سے پہلے اس کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ کسب و ہنر سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس میں نبی کی خود اپنی کاوش کا کچھ دخل نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ "اللہ اپنی رحمت کے لئے جسے چاہتا ہے مختص کر لیتا ہے" (2:105)-

4- کتاب کے صفحہ 134 پر مرقوم ہے "اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ فرمایا۔ (ہم نے ہی ذکر و نصیحت) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (القرآن 9:15)-" یہاں ذکر کو قرآن دیدہ دانستہ نہیں کہا اور یہ نصیحت کی اصطلاح بھی مصلحتاً لائی گئی ہے اور پھر "ذکر و نصیحت" کو بریکٹ میں لانے کی مجبوری یہ سب راز کی باتیں تھیں۔ اللہ تو دل میں گذرنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے سورہ الحجر کی آیت نمبر 9 کا سیدھا سادہ ترجمہ یہ ہے "بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں" قرآن کو متعدد جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے ذکر یا ذکر اللعالمین بھی کہا ہے۔ لیکن ہر جگہ صیغہ واحد کے معنوں میں۔ اب اگر اس کے باوجود کوئی قرآن واحد کی جگہ "کتاب و سنت" دونوں کی حفاظت اللہ کے ذمہ قرار دے دے تو بزعم خویش بااختیار ہے لیکن اس کے لئے ادھر ادھر کی تاویلوں کے بجائے قرآن کی صرف ایک سند کافی ہے۔

5- "امام شافعی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کتاب کا ذکر فرمایا ہے ساتھ ہی حکمت کا ذکر بھی فرما دیا۔ تو ان باتوں سے ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہی لی جا سکتی ہے"۔ صفحہ 146

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ جگہ جگہ حکمت کی اصطلاح استعمال کی ہے اور بڑے واضح الفاظ میں اس کی غرض و غایت بھی بتا دی کہ ساتھ ساتھ قوانین

خداوندی کے مقاصد بھی واضح ہوتے جائیں۔ لیکن ایک ضرب المثل کے مطابق کہا جاتا ہے کہ پیشوائیت کا راز اسی میں ہے کہ لوگ آنکھیں بند کر کے اس کی اختراعات کو مانیں اور پھر اس پر عمل کرتے جائیں۔ یہ مثال یہاں بھی منطبق ہوتی ہے۔ کہا یہ نہیں گیا کہ حکمت سے مراد سنت ہوتی ہے۔ بلکہ فرمایا یہ ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہی لی جا سکتی ہے۔ اس میں امکانیت کا اظہار ہے۔ قطعیت سے بالکل نہیں کہا گیا۔ صورت حال برعکس بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن دین کا جو عقیدہ یا اصول تعینات کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا اسے اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہاں تو قرآنی سند اور کسی معقول دلیل کے بغیر ہی کام چلایا جا رہا ہے۔ سمجھا یہ گیا ہے کہ امام شافعی کے کہنے میں ہی سب کچھ آگیا ہے۔ حالانکہ دین میں کسی شخصی فرمان یا انفرادی فتوے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

حکمت ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ اس کی تشریح کے لئے اگر کوئی من مانی کرتا ہے تو یہ نامناسب ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ "حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے آپ ہی کچھ فیصلے کر لیتے ہو پھر انہیں شریعت کے نام پر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ یہ بہت بڑا افتراء ہے" (10:59)۔

حکمت بڑی جامع اصطلاح ہے۔ غرض و غایت اور علت و مقصود کے اعتبار سے حکمت کے معنی دلیل و حجت بھی ہیں۔ قرآن یہ چاہتا ہے کہ ہم جو کام بھی کریں عقل و فکر کی رو سے سوچ سمجھ کر کریں۔ حکمت کے معنی قوت فیصلہ کے بھی ہیں۔ بالخصوص فیصلہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا۔

اسلام میں سنت بھی ایک عجیب و غریب اصطلاح ہے۔ جو حدیث سے بھی زیادہ مروج ہے۔ لیکن یہ دونوں اصطلاحیں باہمی اختلاف کا مرکز بھی بنی ہوئی ہیں۔ بعض حضرات کی رائے میں یہ دنوں مرادف ہیں۔ ان کی تعریف کی رو سے کتاب و سنت کے معنی ہوں گے قرآن و حدیث۔ بعض علماء کے نزدیک حضور نبی اکرمؐ کا ہر فعل یا قول سنت نہیں ہوتا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلامی حلقوں میں یہ الفاظ ہر طرف سنائی دیں گے کہ اتباع سنت رسول اللہ عین دین اسلام ہے۔ لیکن سارے قرآن مجید میں سنت رسول کی اصطلاح کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ وہاں حضور کی سیرت اسوہ حسنہ اور خلق عظیم کے معیار پر پرکھی جاتی ہے۔ جہاں تک قرآن و سنت کا تعلق ہے تو آج کل سارے پاکستان میں اسلامی قانون کی اساس اسے ہی سمجھا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے وزیر قانون نے فرمایا تھا کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکتا۔ دوسری طرف جماعت اسلامی کے راہ نما یہ کہہ رہے ہیں کہ قرآن و سنت کے مطابق بھی تمام فرقوں کے لئے کوئی متفقہ آئین بنانا ناممکن ہے لہٰذا ملک میں فقہ حنفیہ نافذ کر دی جائے۔ دراصل ان کے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں وہ نظام رائج نہ ہونے پائے جس کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ علماء کرام کے بائیس نکات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ بالالفاظ دیگر ہماری پیشوائیت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ فرسودہ روایات کو غیر متبدل قرار دیکر انہیں مملکت کے قوانین کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے اور یہ وہ انداز حکومت ہے جسے تھیاکریسی کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنے تصور پاکستان کے مطابق دین کو تھیاکریسی سے پاک کر کے قرآنی نظام لانا چاہتے تھے۔ جس میں فرسودہ روایات اور فقہی احکام کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن یہی ہماری مذہبی پیشوائیت کے مقدس سہارے ہیں۔ جن پر وہ زندہ ہے اور جن کے بغیر اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ آج کی بات نہیں دور ملوکیت سے ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس کے لئے نہ صرف قرآنی نظام کی مخالفت کی جاتی ہے بلکہ

روایات کے بل بوتے پر ایسے تمام وہ اقدامات کئے جاتے ہیں۔ جو ضابطہ اسلام کی اہمیت عظمت اور تقدس کو براہ راست متاثر کر سکیں۔ ملاحظہ ہوں چند مثالیں۔

(1) احادیث کو وحی (وحی خفی) کا درجہ دیکر قرآن کے مقابلہ میں ایک دوسرا قرآن کھڑا کر دیا گیا۔

(2) قرآنی منشاء کے خلاف ملوکیت۔ اسلاف پرستی اور شخصیت پرستی والے من مرضی کے اسلام کو فروغ دیا گیا۔ سلاطین کے لئے ظل اللہ علی الارض جیسے لقب ایجاد کئے گئے۔

(3) قرآن ہی ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور ذمہ لیا۔ ہمارے علماء کرام نے یہ عقیدہ وضع کیا کہ اسی طرح سنت اور حدیث کی حفاظت کا ذمہ بھی خدا نے لیا ہوا ہے۔

(4) قرآن کریم کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ یہ لفظاً" لفظاً" الحمد سے والناس تک بعینہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو دیا اور جسے رسول کریمؐ نے امت کو دیا۔ لیکن مخالف عناصر نے یہ عقیدہ وضع کر کے عام کر دیا کہ قرآن بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے قرآن کی جمع وتدوین کے متعلق عجیب و غریب داستانیں وضع کیں۔

(5) حدیث کو قرآن کی مثل (مثلہٗ معہٗ) قرار دے دیا۔ جبکہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ اس کی ایک سورت کی مثل بھی ممکن نہیں۔

(6) حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔

(7) حدیث قرآن پر قاضی ہے۔

(8) حدیث اور قرآن دونوں خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔

(9) حدیث مستقل دین ہے۔

(10) رجم کی آیت گم ہو گئی یا بکری کھا گئی۔ بہرحال وہ قرآن میں نہیں۔ البتہ اس کا حکم چلتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے۔ پڑھ سن کر بڑی کوفت ہوتی ہے۔ کیا ہم اتنے ہی بے حس ہو چکے ہیں۔ کیا ہم قرآن کی سپریم حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں؟ معاملہ کچھ مشکوک نظر آتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کے متعلق ان مخالفانہ منصوبوں کا پتہ نہ ہو۔ ضرور پتہ ہے۔ اس نے اپنی مقدس کتاب میں اپنے رسولؐ کے ذریعہ کہلوا دیا کہ (روز قیامت اللہ کے حضور اس کا رسول فریاد کرے گا) "اے میرے رب یہی ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا" (25:30)۔ باالفاظ دیگر رسول کریمؐ نے اللہ کے حضور اپنی قوم کے خلاف یہ ایک قسم کا استغاثہ دائر کر رکھا ہے۔ لیکن ہم قرآن کریم کی اس آیت مقدسہ کے برعکس اس غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار ہیں کہ قیامت کے روز ہمارا رسول خدا کے حضور بار بار سجدے کر کے بالآخر اپنی ساری "امت" کو بخشوا لے گا۔

اور اس کے بعد کتاب کا یہ آخری اقتباس۔

6۔ "عقائد اور عبادات میں یگانگت"

"معاشرہ کے افراد کو مربوط اور مستحکم بنانے کے لئے عقائد و عبادات کی یگانگت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام کی عطا کردہ وحدت فکر و عمل ہی وہ چیز ہے جو کسی دوسرے معاشرے میں نہیں پائی جاتی"۔ صفحہ 51

کہتے میں جب احساس زیاں ہی باقی نہ رہے تو کسی بہتری کی توقع عبث ہے۔

بدقسمتی سے ہم نے موجودہ معاشرہ کی دگرگوں اور قابل رحم حالت کو تسلیم نہیں کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے ہمیں بہت کچھ عطا کیا لیکن ہم نے اپنی خوش فہمیوں اور زعم باطل کی بناء پر سب کچھ دریا برد کر دیا۔

ہمیں ایسی نایاب کتاب ملی جو روشن اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس قسم کے ضابطہ کا حصول خدا کے فضل و رحمت سے ہوتا ہے۔ یہ اتنا عظیم قانون خداوندی ہے جس کے متعلق اللہ فرماتے ہیں۔ کہ تم "کسی قیمت پر بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ جشن مسرت مناؤ یہ ہر اس شے سے بہتر ہے۔ جسے تم جمع کرتے رہتے ہو۔ یعنی زندگی کی ہر متاع سے زیادہ گراں بہا اور عزیز تر" (10:58)۔ لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے اسے روایات کے شکنجے میں اس حد تک جکڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ شک و شبہ سے بالا یہ لاریب کتاب ہمارے ہی پیدا کردہ ابہام اور تذبذب میں الجھ کر رہ گئی۔ کاش ہم جان سکتے کہ اسی کی ہدایات کی بناء پر ہمارے نبی اکرمؐ نے امت واحدہ کی تشکیل فرمائی۔ ایسی امت جس کا نظام ایک تھا۔ مرکز ایک تھا۔ راستہ ایک تھا۔ نصب العین ایک تھا۔ دین ایک تھا۔ یہی تھی وہ جماعت جس کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ "اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا اور دین کے ذریعہ تمہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا" (3:102)۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ ایک المناک کہانی ہے اور بلندیوں سے پستیوں میں لڑھکنے والا زوال۔ جس طرح امم سابقہ نے وحی کے مل جانے کے بعد دین میں فرقے بنا لئے تھے ہم بھی فرقوں میں بٹ گئے اور پھر بتدریج اس حد تک آگئے کہ سارا معاشرہ تفرقہ کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ کوئی اس بات کا احساس نہیں کرتا کہ فرقہ بندی شرک ہے اور شرک ایسا گناہ ہے جس کے لئے خدا کے ہاں کوئی بخشش نہیں اور یہ بھی کہ تفرقہ قرآن کی رو سے گئو سالہ پرستی سے بھی زیادہ سنگین شرک ہے۔

سورہ توبہ میں مسجد ضرار کا واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ بعض تفرقہ انگیزوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کی تو قرآن نے اس کی اس لئے مخالفت کی کہ اس کی تعمیر کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا جائے۔ چنانچہ مزید آگاہی کے لئے اللہ نے اپنے رسول کو کہہ دیا تم اس مسجد میں ایک قدم بھی نہ رکھنا۔ یہ مسجد نہیں خدا اور رسول کے دشمنوں کی پناہ گاہ ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ نے اللہ کے حکم کے تحت اس مسجد کو گرا دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مسجد ضرار کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تفرقہ بندی کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا مشکل ہے کہ کتنی مساجد اللہ کا گھر ہیں اور کتنی مسجد ضرار کے زمرہ میں آتی ہیں۔

دلچسپ پہلو یہ ہے کہ فرقہ بندی کے الزام اور شرک کے گناہ سے بچنے کے لئے ہمارے علماء نے یہ تجویز نکالی ہے۔ کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو فرقوں کے بجائے مکاتب فکر کہا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ "ان خداؤں کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے۔ بس اتنی کہ یہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں ورنہ ان کی اپنی کوئی حقیقت نہیں۔ خدا نے ان کے لئے کوئی سند نہیں بھیجی" (12:40)۔

پس کسی فرقے کا نام مکتب فکر رکھنے سے اس کی اصلیت نہیں بدل جاتی۔ وہی علیحدہ مساجد اور نماز کے علیحدہ طور طریقے۔ وہی باہمی بغض و عناد۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیں اور ایک فرقہ بنا کر بیٹھ جائیں۔ اے رسول! تجھے ان سے کوئی تعلق نہیں" (6:160)۔ یعنی فرقے بنانے والوں سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے (کیونکہ وہ توحید پرست نہیں رہتے مشرک ہو جاتے ہیں) اور نہ ہی خدا کے رسول کا ان

سے کوئی واسطہ کیونکہ رسول نے ایک دین قائم کیا اور ایک امت بنائی تھی یہ الگ امت بنانے والے درحقیقت ایک متوازی دین (نظام زندگی) کے حامل ہو گئے اس لئے انہیں اس رسولؐ سے کیا تعلق رہا۔

خدا سے تعلق ٹوٹا۔ رسولؐ سے کوئی سروکار نہ رہا تو کسی مسلمان کے پاس باقی کیا رہ گیا۔ انسانی زندگی کا غیر اسلامی طریقہ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق پھر سے یعنی نئے سرے سے ایمان کا اقرار۔ جس کے لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے مسلمانو تم ایمان لاؤ اللہ پر۔ اس کے رسولؐ پر اور اس کی کتاب پر جیسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا" (4:136)۔ یہ از سر نو ایمان لانا درحقیقت فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام تسلیم کر کے قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سانحہ ہائے ارتحال

بزم طلوع اسلام لندن کے فعال رکن محترم محمد حنیف صاحب کی والدہ محترمہ ہارٹ اٹیک سے وفات پا گئی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ادارہ مرحومہ کے اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بابا جی مرحوم کے رفیق دیرینہ محمد اکبر خاں صوبیدار (ر) کی چھوٹی بہن محترمہ سعادت سلطانہ نرسنگ سپرنٹنڈنٹ تمغہ خدمت (ریٹائرڈ) 21 اگست 2000ء کو وفات پا گئیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ادارہ مرحومہ کے بڑے بھائی اور دیگر اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بزم طلوع اسلام کراچی صدر کے رکن نورالدین گیلانی وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم نے ایک اسمٰعیلی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی لیکن مطالعہ و تحقیق کے بعد قرآنی فکر سے وابستہ ہو گئے تھے۔ نہایت بااخلاق اور وضعدار انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان اور اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(منظور احمد خان' اوسلو' ناروے)

تکلف برطرف!

چند برس پہلے کی بات ہے' شدید برف باری کے موسم میں ایک پاکستانی صاحب علم و دانش جن کا خاصا تعلق معاشیات سے تھا' یہاں اپنے نجی دورے پر تشریف لائے۔ وسیع علم اور کشادہ ظرف کے مالک یہ صاحب محترم ہم سے بھی ملنے آئے اور خوب گپ شپ ہوئی۔ تکلف برطرف ہوا اور باتیں ذرا اور کھل کر ہونے لگیں۔ ہم جو ترنگ میں آئے تو ایک گستاخی کے مرتکب ہونے کو جی چاہا کہ موضوع سخن فوراً ہی اسلام چل نکلا۔

"اسلام تو صاحب! ایک نامکمل مذہب ہے' کیا خیال ہے آپ کا؟"

"استغفراللہ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اسلام تو ایک مکمل ضابطہ حیات اور واضح دستور زندگی ہے جسے سب تسلیم کرتے ہیں۔ یہ تو ایک Understood Reality بلکہ اب تو Universal Truth بننے کو ہے"۔ ان کا اظہار تیقن قابل دید و تحسین تھا' تاہم انداز میں استفسار بھی نمایاں۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو' ثم آمین! لیکن--- پیش کردہ حقائق اور ان کے معروضی نتائج کچھ اور ہیں اور ہمارے خیال و سوال کو مزید تقویت پہنچا رہے ہیں۔ مثلاً ہم حیران اس بات پر ہیں کہ یہاں سیکنڈے نیویا (ڈنمارک' ناروے اور سویڈن) میں' آج کی دنیا کی بہترین فلاحی ریاستوں (Welfare States) میں' ہم سب تاجر و مزدور' ہر ماہ کم و بیش 5 ہزار کرون (35 ہزار روپے) زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جی ہاں! ہر مہینے--- 5 ہزار کرون زکوٰۃ! لیکن پھر بھی یہاں کی حکومتیں مسلسل چیختی رہتی ہیں کہ زکوٰۃ کی شرح بڑھائی جائے! یہ کم ہے' حکومتی اور عوامی اخراجات زیادہ ہیں! لہٰذا ماہانہ زکوٰۃ مزید بڑھائی جائے! وغیرہ وغیرہ۔ اب ہم سوچتے یہ ہیں اور ہماری ان سوچوں کا جواب آپ جیسے صاحب علم و بصیرت ہی دے سکتے ہیں کہ اسلام میں--- محض اڑھائی فیصد--- سالانہ--- زکوٰۃ--- جی حضور! سالانہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ--- حکومتی اور عوامی ضرورتوں کو بھلا کیونکر پوری کر سکتی ہے؟ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی---" ایک دوست نے اپنے خیال کی وضاحت کی۔ باہر برف باری کو دیکھ کر تیز ہواؤں نے بھی پر پھیلا دیئے۔

"صاحب آپ زیادتی کر رہے ہیں!" محترم مہمان فرمانے لگے: "آپ یہاں زکوٰۃ نہیں' ٹیکس دے رہے ہیں۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں انہیں گڈ مڈ نہ کریں۔ یہ 5 ہزار کرون یا 35 ہزار روپے ماہانہ ٹیکس ہے' بھلا زکوٰۃ سے اس کا کیا تعلق واسطہ؟"

عرض کیا: "جی ایسی بات نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے۔ ہم یہاں ٹیکس بالکل نہیں دیتے بلکہ فقط۔ زکوٰۃ ہی دیتے ہیں--- ٹیکس کا تو لفظ تک نہیں ہے ان کی زبان یا ڈکشنری میں--- یہاں اس ماہانہ رقم کو Zkatt (زکوٰۃ) ہی کہتے اور لکھتے ہیں Skatt چونکہ ان کی زبان میں ذ' ز' ظ یا ض کی آواز ہے ہی نہیں لہٰذا زکوٰۃ کو Skatt لکھنا اور بولنا

ان کی مجبوری ہے۔ منظور کو منصور اور زہیب کو سہیب بولتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ یہ زکوٰۃ ہی ہے۔ اب یہ لفظ "زکوٰۃ" کب اور کس طرح ان کے معاشرے یا زبان کا حصہ بنا' اس کا علم تو ہمیں نہیں' یہ کام کسی مورخ یا ماہر لسانیات کا ہے' البتہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔۔۔ کسی بھی چھوٹے بڑے۔ سکنڈے نیوین سے پوچھ لیجئے وہ ماہانہ زکوٰۃ ہی بولے گا اور یہی لکھے گا بھی۔ ٹیکس نہ بولے گا نہ لکھے گا۔ یہ دیکھئے ہماری ماہانہ Salary Slip ! دیکھئے غور سے ! یہاں ٹیکس کی جگہ زکوٰۃ لکھا ہوا ہے !"

ہمارے محترم مہمان انتہائی حیران ہوئے۔ مگر خفت جلی کو خفی رکھنے کے لئے فوراً بولے : "اسلام یا پاکستان وغیرہ میں ہم اڑھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ کے ساتھ ٹیکس جو لیتے دیتے ہیں' لہٰذا حکومتی مشینری یا عوامی ضرورتوں کو پورا کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے"۔

عرض کیا : "ان دو مختلف (مذہبی اور سیکولر) بنیادوں پر استوار پاکستان کی معیشت کا جو حال ہے' وہ تو سب کے سامنے ہے' یہ ایک علیحدہ موضوع ہے اس پر بات پھر سہی۔ آپ نے البتہ۔۔۔ ان دو مختلف و متضاد سرچشموں کا ذکر کر کے گویا۔۔۔ ہماری تائید خود ہی کر دی۔۔۔ کہ اسلام ایک نامکمل مذہب ہے۔۔۔ ٹیکس (یا مغربی تصور معیشت) کا سہارا آپ اسی لیے تو لے رہے ہیں کیونکہ زکوٰۃ (یا مذہبی تصور معیشت)' جو اڑھائی فیصد سالانہ بتائی جا رہی ہے' ریاستی ضرورتوں کو پورا نہیں کر پا رہی۔۔۔ ویسے بھی' کیا یہ ممکن بھی ہے چاہے ہر فرد ہی کیوں نہ یہ فرض مذہبی ادا کر دے؟ خیال رہے کہ اسلام میں صرف زکوٰۃ کا تصور ہے۔ قرآن کریم اس فریضہ مومنین کے اظہار و تکرار سے بھرا پڑا ہے۔ قدم قدم پر زکوٰۃ و صلوٰۃ کا حکم ہے۔ صفحے صفحے پر اس کی اہمیت کا اعلان ہے۔ ہماری مذہبی پیشوائیت اس کی شرح اڑھائی فیصد سالانہ بتاتی ہے بلکہ مصر ہے۔۔۔ انہوں نے ٹیکس کا ذکر کبھی نہیں کیا۔۔۔ ٹیکس کا ذکر وہ کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ کیا حق حاصل ہے انہیں اسلام میں کفر کی ملاوٹ کا۔۔۔ کافرانہ تصور معیشت کا سہارا لینے کا۔۔۔ اگر کوئی سر پھرا زکوٰۃ کے ساتھ ٹیکس کی دیوار چڑھاتا ہے۔۔۔ یا ٹیکس کے ساتھ زکوٰۃ کا پیوند۔۔۔ تو وہ گویا کھلم کھلا اعلان ہے اس بات کا کہ اسلام محض ایک مذہب ہے اور وہ بھی نامکمل"۔۔

ہمارے مہمان محترم خاموش ہو گئے۔ کافی دیر چپ رہے اور چپ ہم نے بھی سادھ لی۔ کمرے میں صرف چائے کی پیالیوں ہی کی گونج گونجنے لگی۔۔۔ یہ اکیلی آواز بڑی پراسرار لگتی ہے۔۔۔ یہ صدائے تنہا بڑی عجیب لگتی ہے۔ اور پھر یہی بانگ نمایاں چھانے ہی لگتی ہے' لہٰذا منفرد فریادوں کو توجہ دیا کریں ورنہ یہ طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور پھر کچھ نہیں بچتا۔

کچھ دیر بعد سکوت ٹوٹا' جان میں جان آئی۔ ہمارے محترم مہمان اچانک بولے : "قرآن کریم میں اڑھائی فیصد کا تکرار بے معنی یا بے فائدہ تو نہیں ہو سکتا نا۔ ضرور ہم ہی کوئی گڑ بڑ کر رہے ہیں' ورنہ خدائی حکم زکوٰۃ کے ساتھ طاغوتی آرڈر کی ملاوٹ تو واقعی شرک عظیم ہے۔ میرا خیال ہے یہ اڑھائی فیصد ماہانہ ہو گا' سالانہ نہیں۔" گرم کمرے کے باہر' ہوائیں رخ بدل بدل کر فضا کو یا تو تلپٹ کرنے پر تلی ہوئی تھیں یا انہیں محض اٹکھیلیاں سوجھ رہی تھیں اور ہم بے زار بیٹھے پرچ پیالی کی ننھی سی آواز سے لطف اندوز ہونے کی سعی لا حاصل میں غرق۔۔۔ ہمارے ایک دوست بے چین سے چین سے نہ بیٹھا گیا' فوراً بولے : "اطلاعاً" عرض ہے حضور کے قرآن کریم میں اڑھائی فیصد کے الفاظ تو درکنار ان کا ہندسہ تک موجود نہیں۔ وہاں صرف لفظ زکوٰۃ کا تکرار ہے۔ اڑھائی فیصد یا سالانہ اور ماہانہ کا ذکر سرے

سے ہے ہی نہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟؟ اڑھائی فیصد کا ذکر کیا قرآن حکیم میں نہیں؟" اتنا اچھل کر بولے وہ صاحب کہ چائے بھی پیالی سے چھلک اٹھی۔۔۔ ان کے خوبصورت پیرہن پر داغ لگ گیا۔۔۔ آٹے میں نمک کے برابر نمک کم تھا۔۔۔ پوری شیشی نمک کی سرف ہو گئی اور داغ کا خطرہ جاتا رہا۔۔۔ (چائے کا داغ نہیں چڑھتا۔۔۔ اگر فوراً نمک مل دیا جائے تو)۔ سکوت پھر چھانے لگا۔۔۔ کمرے کے اندر'۔۔۔ لیکن باہر۔ شور تھا جو بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"یہ طلوع اسلام کا پرچہ کون لوگ نکالتے ہیں؟" مہمان محترم میز پر پڑے پرچے کو اٹھا کر پوچھنے لگے' چائے کی طرح خفت خفی بھی اڈ آئی جس کا علاج نمک نہیں۔ چمک ہوتا ہے۔۔۔ انہوں نے بات کو کوئی دوسرا رخ دینا چاہا۔

عرض کیا: "یہ یہاں سے نہیں' وہاں لاہور سے نکلتا ہے۔ کوئی دل جلے لوگ ہیں' دیوانے ہیں' اپنا دل تو جلاتے ہی ہیں ساتھ ہمارا بھی ستیاناس کر رکھا ہے انہوں نے۔ ایسے ایسے سوال اٹھاتے ہیں کہ الامان' سر چکرا جاتا ہے۔۔۔

"کیا یہ زکوٰۃ کا سوال بھی انہی کا پیدا کردہ ہے؟" فوراً بولے۔

"جی ہاں! اس قسم کی Thought Provoking یہی احباب دانش کرتے ہیں کیونکہ حکم الٰہی بھی یہی ہے کہ "سوچا کرو؟!"

رسالہ اٹھایا انہوں نے اور ورق گردانی کے دوران پھر گویا ہوئے: "کیا واقعی اڑھائی فیصد کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے؟"

"جی قطعاً" نہیں!" ایک صاحب نے فوراً جواب دیا۔ مہمان ہمارے پھر ایک بار گہری سوچ میں پڑ گئے اور بظاہر ورق گردانی۔ دوسرے احباب محفل بڑی بے چینی کے ساتھ ان کے رد عمل کے منتظر۔ محترم مہمان نے رسالہ میز پر واپس رکھا' سگریٹ سلگایا اور نہایت دھیمے لہجے میں بولنے لگے: "قرآن کریم واقعی کلام الٰہی ہے۔۔۔ یقیناً ایک مکمل ضابطہ حیات۔۔۔ لیکن افسوس۔۔۔ کہ زکوٰۃ کا مفہوم' کفار تو سمجھ گئے' عمل پیرا بھی ہو گئے اور لفظ بھی وہی استعمال کر رہے ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ صد افسوس کہ ہم حاملین و وارثین کتاب۔۔۔ ابھی تک۔۔۔ اتنے بڑے تصور زکوٰۃ و ارتقاء' اتنے عظیم اعلان نشوونما کو۔۔۔ محض۔۔۔ ایک بھیک اور خیرات کا بیان سمجھے بیٹھے ہیں۔ سردار الانبیاءؐ کے سردار امتی' صدیوں سے فقط بھیک دینے اور خیرات لینے کے مرتکب ہو رہے ہیں؟ یا میرے خدا!! نجانے ان لوگوں نے مذہب اسلام کو کیا سے کیا بنا دیا ہے؟"

"جناب! اسلام مذہب ہے ہی کب؟ مذہب کا بھی لفظ تک قرآن کریم میں موجود نہیں"۔ ایک صاحب جھٹ سے بولے۔

"کیا؟ اسلام مذہب نہیں ہے؟" ہمارے مہمان مزید پریشان اور حیران ہو گئے۔

"جی نہیں! اسلام مذہب قطعاً" نہیں' دین ہے۔ اور قرآن حکیم نے اپنے لئے دین ہی کا لفظ استعمال کیا ہے جو ایک جامع اصطلاح ہے۔ یہ لفظ نظام یا قانون وغیرہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مذہب تو ایک انفرادی عقیدے یا پرائیویٹ مسلک کا نام ہے جس کا کوئی تعلق معاشرتی اجتماعیت تو درکنار ایک گھرانے کی محض ایک اکائی سے بھی نہیں۔ ہندوستان یا دوسرے سیکولر ممالک میں' خاوند بیوی کی مختلف مذاہب کی پیروی ایک عام اور معروف روش ہے۔ بلکہ اسے Modernism یا Liberalism کے ثبوت کے طور پر روا رکھا جا رہا ہے"۔ ایک دوست نے وضاحت فرمائی۔

"میں تو کہوں گا کہ ہندوؤں کا یہ طور طریق ہے بھی

درست"۔ ایک صاحب نے بغیر اپنی باری کے اچانک بولنا شروع کر دیا : "تمام انبیائے کرام کی تعلیمات اگر محض انفرادی مذاہب ہی ہیں تو پھر ہندو ازم اور اسلام ازم وغیرہ میں تفریق کیسی؟ بیوی مندر بنائے' شوہر مسجد سجائے اور بچہ اگر گرجے میں جا گرے! So what? Its OK! وہاں بت کھڑے ہیں یہاں پڑے ہیں' وہاں درشن ہوتا ہے یہاں زیارت' وہاں پھیرے لئے جاتے ہیں یہاں طواف کئے جاتے ہیں' ادھر پرشاد ہے تو ادھر تبرک موجود' وہاں بھجن گائے جاتے ہیں تو یہاں قوالی' وہاں دیپ جلائے جاتے ہیں یہاں اگربتی سلگائی جاتی ہے۔ وہاں یوگ یہاں مراقبہ' ادھر پنڈت ادھر مولوی' وہاں جوگی یہاں ملنگ' وہاں دسہرا یہاں تعزیہ' ادھر استھان ادھر آستانہ' وہاں یاترا یہاں عرس' وہاں سادھو یہاں پیر' وہاں ڈنڈوت اور نمسکار یہاں عقیدتوں کے سجدے۔ فرق کیا ہے؟ اصل میں تو یہ ایک ہی چیز ہے۔ وارداتوں کا صرف انداز ہی ہے جو مختلف ہے قدرے' مقصد اور روح تو ایک ہی ہے۔ لہٰذا ہندوؤں کا یہ طور طریق یا مخلوط شادیاں وغیرہ' میں سمجھتا ہوں کہ ایک Rational and Conscious Effort ہے۔"

"مہمان خصوصی نے فوراً باری لی اور بولے : "نہیں ! نہیں ! بات یہ نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہندو اور دیگر مذاہب کے پیروکار دراصل خوفزدہ ہیں اسلام سے۔ ہندو جان چکے ہیں کہ ان کے مذہب میں چونکہ کوئی عقلی بات یا قانون محکم کوئی نہیں اور اس کے مقابلے میں اسلام ایک واقعی مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے کسی بھی قانون کو ابھی تک چیلنج نہیں کیا جا سکا' کہیں یہ نہ ہو کہ ہندو اسلام کی طرف کھنچنے لگیں' لہٰذا اسلام ہی کو نیچے کھینچا جائے اور کھینچ کر ہندو ازم کے برابر' شانہ بہ شانہ کھڑا کر کے سب کو ایک جیسے مذاہب گردانا جائے اور صبح شام گردانا جائے بلکہ اس موضوع یا اس خیال کو مزید تقویت دینے کے لئے ہر ہر فلم میں اس کا پرچار کیا جائے۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو سکیں گے۔ ایک تو ہم دنیا والوں کی نظر میں مسلمانوں کے مقابل وسیع المشرب و قلب نظر آئیں گے اور دوسرے اسلام کا خطرہ بطور دین ٹل جائے گا۔ یہ ہے مقصد دراصل ہندوؤں کا خاص طور پر' اور دیگر مذاہب کا عام طور پر"۔

مکان کی گیلری کے شیشے بند تھے۔ بارش کے قطروں نے بھی مچلنا شروع کر دیا تو دھند کے مارے شیشے بھی چمکنے لگے۔۔۔ باہر کی فضا میں برف' طوفان اور بارش علیحدہ علیحدہ نظر آنے لگے۔

عرض کیا : "اسلام بلا شبہ ایک دین روشن' محکم اور مکمل ضابطہ زندگی ہے جو انسانی زندگی کے ہر ایک پہلو' ہر ایک گوشے بلکہ زمان و مکان سے ماورا ہر حال اور ہر جگہ کے لئے اصول و ہدایت فراہم کرتا ہے۔ معیشت ہو یا معاشرت' اخلاقیات ہو یا سیاسیات۔۔۔ قرآن کریم میں ہر مضمون زندگی کے لئے راہنما اصول و اقدار موجود ہیں۔ لیکن افسوس ہم نے ان اصولوں کو سمجھا ہی نہیں' عمل کیا خاک کریں گے۔ یہی تو وہ بنیادی وجہ ہے زوال امت کی"۔

اندر کمرے کے ماحول میں بھی کچھ تبدیلی آگئی کہ اچانک میرا بیٹا مرغی کی گرم گرم بھاپ فشاں یخنی لے آیا۔ یخنی اور پھر گرم۔۔۔ کیا امتزاج مزاج تھا۔۔۔ کیا وصال تضادات تھا۔۔۔ باہر سردی اپنے جوبن پر' اندر گرمی اپنے شباب پر۔ بجلی کی گرم اور سرد تاروں کی سعی ملاپ یاد آگئی جو روشن کرنا چاہتی ہے اس فضا کو جو مدتوں سے اندھیروں میں گم' آس لگائے بیٹھی ہے شعلہ ریز چراغوں اور جگمگاتے قمقموں کے انتظار میں۔ ع کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

"میں یہاں کے فلاحی نظام اور زکوٰۃ سسٹم کے بارے

میں مزید کچھ جاننا چاہتا ہوں تاکہ پاکستان جا کر اس موضوع پر ایک مکالمے کا آغاز کر سکوں"۔ یخنی نے سینوں کو گرمی بخشی اور محترم صاحب دانش کی دلچسپی اور بڑھ گئی' بینش مشتعل ہو گئی۔

ایک صاحب نے باری لی اور فرمانے لگے : "جہاں تک یہاں کے نظام معیشت کا تعلق ہے' وہ قرآن مجید کے نظام زکوٰۃ سے قریب تر ہے۔ لگن اور پوری استعداد کے ساتھ' دیانتداری کے ساتھ کام کرو' جتنا کماؤ۔۔۔ ضرورت کے مطابق تمہارا' باقی بطور زکوٰۃ حکومت کے حوالے کر دو تاکہ تمہارا سب کا روٹی کپڑا مکان علاج تعلیم وغیرہ کا بطور استحقاق اور کمال عزت کے ساتھ اہتمام و انتظام ہو سکے۔ صاف پانی اور صاف ہوا کا حصول بھی تمہارا حق ہے اور ہماری ذمہ داری۔ یہ سب کچھ اس طور اس لئے ہے کہ جن سوچوں یا بنیادوں پر یہ عمارت استوار ہوئی ہے وہ وہی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے 14 سو سال پہلے کر دیا ہوا ہے۔ اقبالؒ نے بھی یہی مستنبط کیا جب کہا کہ کس درایں جا سائل و محروم نیست۔ شعر کے اس پہلے مصرعے تک تو یہ پہنچ ہی چکے ہیں' البتہ "عبد و مولا حاکم و محکوم نیست" کی جانب منہ ہے ان کا' پہنچے نہیں ہیں ابھی۔

"کیا بات ہے !" ہمارے مہمان خصوصی آسودہ ذہن ہونے لگے۔ اور پھر فرمایا : "اللہ جانتا ہے ! یہ باتیں زندگی میں پہلی بار سن*رہا ہوں' کیا بات ہے ! مجھے تو آپ لوگوں کے سامنے شرمندگی سی محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے پاکستان میں اتنی عمر گزاری' معاشیات میں ڈگری بھی حاصل کی لیکن افسوس کہ پاکستان میں رہ کر بھی قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا اور آپ ہیں کہ دیار کفر میں رہ کر بھی قرآن پر اس قدر دسترس رکھتے ہیں؟ میرا خیال ہے مجھے تسلیم کر لینا چاہئے کہ میں اور میری طرح کے دوسرے ہزاروں "دانشور" ساری عمر محض جھک ہی مارتے رہے ہیں اگر وہ بھی میری طرح تعلیم قرآنی سے ناواقف ہیں تو

"I am really and extremely sorry!

فضا پر خاموشی چھا گئی' نہیں' ان کی عاجزی ان کی عظمت بن کر ہمارے دلوں میں گھر کر گئی۔ اپنی غلطی یا کوتاہی کا اعتراف آدمی کو انسان اور انسان کو مومن بنا دیتا ہے۔ کاش یہ بات ہم سب کو ہمیشہ یاد رہے۔۔۔ آمین!

ہمارے محترم مہمان نے "یخنی کے مزے کو سگریٹ کا شعلہ دکھا کر فضائے دل و دماغ کو Balance کر دیا۔ (سگریٹ نوشوں کا یہی خیال ہے۔ راقم۔)

"یہ کتابیں کس کی ہیں؟" سامنے الماری میں لگی کتابوں پر ان کی نظر جم گئی۔

"مختلف اور متعدد مفکرین کی کتابیں ہیں' البتہ پرویز صاحب کی کتابیں زیادہ ہیں" کسی نے جواب دیا۔

"پرویز صاحب؟" یہ کون ہیں؟ یہ کہیں وہی ایرانی مفکر۔۔۔ تو نہیں۔۔۔ جو غالباً 2/3 سو سال پہلے ہوئے ہیں؟" انہوں نے اپنی حیرت کا اظہار بڑے تکلف کے ساتھ کیا۔۔۔ اور۔۔۔ ہم خاموش ہو گئے۔۔۔ اور آج تک خاموش ہیں۔ تب سے اب تک پھر کبھی جرات ہی نہیں ہوئی کسی کے سامنے منہ کھولنے کی یا اس طرح کی مجلس سجانے کی۔ ہاں البتہ کبھی کبھی۔۔۔ قلم۔۔۔ خون۔۔۔ اگلنے لگتا ہے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

45 واں سالانہ قرآنی کنونشن 2000ء

تحریک طلوع اسلام اپنا 45واں سالانہ کنونشن حسب روایت تزک و احتشام اور سنجیدگی و وقار کے ساتھ منعقد کر رہی ہے۔

پروگرام درج ذیل ہے۔

☆ کنونشن 2000ء، 4 نومبر تا 6 نومبر تک تین دن کے لئے ہوگا۔

☆ 4 نومبر کو 2 بجے تعارفی اجلاس ہو گا۔

☆ سیمینار بعنوان **"قرآن اور فرقہ واریت"** 5 نومبر کو قرآنک ریسرچ سنٹر جوہر ٹاؤن میں ہوگا۔

☆ 6 نومبر کو جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوگا۔

☆ مندوبین اور ان کے ہمراہ آنے والے مہمانوں کے لئے رہائش کا انتظام قرآنک ریسرچ سنٹر جوہر ٹاؤن میں کیا گیا ہے۔ موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانا ہوگا۔

☆ رہائش صرف اراکین بزم اور ان کے ہم راہ تشریف لانے والے مہمانوں کو فراہم کی جائے گی۔ احباب سیدھے جوہر ٹاؤن پہنچیں، مغرب کی طرف سے آنے والے ریلوے سٹیشن اور مشرق کی طرف سے آنے والے ٹھوکر نیاز بیگ اتریں۔ 77 نمبر ویگن انہیں سوا سمسا ہنی سٹاپ پہنچا دے گی۔ سوا سمسا ہنی سٹاپ سے آپ بآسانی قرآنک ریسرچ سنٹر پہنچ سکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ناصر عالم' منگورہ سوات)

آزاد مملکت کی ضرورت!

--- آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے یہ حق ہر ذی روح کو حاصل ہے۔ دنیا میں آزاد گھومنے پھرنے یا اڑنے والی کسی بھی شے کو اگر قید کیا جائے' خواہ وہ حیوان ہو' پرند' چرند ہو۔ وہ اس قید سے آزادی پانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے گی کیونکہ کوئی بھی ذی روح کسی کی محکومیت اور غلامی کو قبول نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے "دین" میں غلامی اور محکومیت کا تصور تک نہیں۔ دین نام ہے اس نظام کا جس کو قوانین خداوندی کے مطابق قائم کیا (یا تشکیل دیا) جائے' جہاں ہر فرد صرف اور صرف خدا کی محکومیت اختیار کرے اور جس میں اس کے ہر عمل کا صحیح صحیح نتیجہ مرتب ہو جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا نظام جس میں اطاعت اور محکومیت صرف قوانین خداوندی کی اختیار کی جائے' ایک آزاد مملکت ہی میں ممکن ہے جہاں ان قوانین کو نافذ کرنے کا پورا پورا اختیار اور حق حاصل ہو یعنی دین کے قیام کے لئے مسلمانوں کے لئے اپنی ایک الگ اور آزاد مملکت کا ہونا ازحد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اسلام کے مطابق زندگی گزارنا ممکن ہی نہیں۔ ہندوستان میں بسنے والے کروڑوں مسلمان اس کی زندہ مثال ہیں۔ اسلام ایک دین ہے' ایک طرز زندگی' یہ صرف عبادات اور اعتقادات کا نام نہیں' عبادات کی اجازت تو اکثر سیکولر حکومتوں میں بھی مل جاتی ہے (ہندوستان کی سیکولر حکومت ایک استثناء ہے کہ وہ دراصل برہمنی حکومت ہے جہاں مساجد کا تقدس بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا) دین ایک نظام کے قیام کا نام ہے جو کسی دوسری حکومت کے تحت قائم نہیں کیا جا سکتا--- یہی وجہ تھی کہ مسلمانان ہند نے پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ اپنے دین کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے انہیں اپنی ایک الگ اور آزاد مملکت کی ضرورت ہے۔ جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں اور ان کے مطابق ایسا کریں کہ جو ان کی اندرونی صلاحیتوں کی نشوونما کا باعث بنے' خدا ان کو اس دنیا میں حکومت اور مملکت عطا کرتا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ وہ دین اور نظام زندگی جسے خدا نے ان کے لئے منتخب کیا ہے وہ قائم ہو جائے تب انسان کو امن اور اطمینان کی زندگی گزارنے کا سامان میسر ہوتا ہے۔ قرآنی نظام میں ایک انسان دوسرے انسان کا غلام اور محکوم نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظام مفاد پرست گروہوں کے لئے بڑا ناگوار ہوتا ہے کیونکہ اس نظام میں ان مفاد پرست گروہوں کی حاکمیت اور من مانیاں نہیں چل سکتیں۔ ان مفاد پرست گروہوں میں پہلا گروہ ملوکیت دوسرا سرمایہ دار طبقہ جو دولت کے زور پر محتاجوں اور محنت کشوں کو اپنے زیر اقتدار رکھتے ہیں اور تیسرا گروہ مذہبی پیشوائیت ہے جو خدا کے نام پر اپنی من مانیاں کرتا ہے۔

آج ہم ایک آزاد مملکت میں رہتے ہیں مگر یہ کیسی آزادی ہے کہ ہم ایک آزاد خطہ زمین میں رہتے ہوئے انہی

طبقات کے ہاتھوں مجبور زندگی گزار رہے ہیں۔ وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں۔۔۔۔ ہم آج بھی زمین کی ملکیت کے دعویداروں، کارخانہ داروں اور ان بالادست طبقات کے مذہبی پیشوائیت کے ساتھ گٹھ جوڑ کی وجہ سے قرآن پاک کے اصولوں کے مطابق، مساوات پر مبنی مطمئن معاشرہ تشکیل نہیں دے سکے جو اس خطہ زمین کو حاصل کرنے کی وجہ جواز تھی جہاں ہر کسی کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں، کوئی اونچ نیچ نہ ہو کوئی حاکم نہ ہو، کوئی محکوم نہ ہو۔۔۔ ہر کوئی اللہ اور اس کے دیئے قانون کا پابند ہو۔

اس آئیڈیل کو حاصل کرنے کے لئے طویل جدوجہد کے سوا اور کوئی راستہ نہیں، ہمارے بزرگوں نے بے مثل قربانیاں دے کر یہ خطہ زمین حاصل کیا، اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم یہاں وہ قرآنی نظام قائم کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانیوں کے لئے تیار رہیں ورنہ ہماری یہ آزادی حقیقی آزادی میں کبھی نہ ڈھل سکے گی۔

ان تین مفاد پرست گروہوں کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے ہم ایک آزاد مملکت میں رہنے کے باوجود وہ کچھ نہیں کر سکتے جس کے لئے اس مملکت کو حاصل کیا گیا تھا۔

سب سے مشکل ترین مرحلہ ایک آزاد مملکت کے حصول کا تھا جسے ہمارے بزرگوں نے بیش بہا قربانیاں دے کر حاصل کر لیا۔ مگر اب اس آزاد مملکت میں قرآنی نظام کے نفاذ کے راستے میں حائل رکاوٹوں کے خاتمے کے لئے بھی قربانیاں دینا پڑیں گی اور ہم پر گذشتہ 53 سالوں سے مسلط شدہ اس نظام کو تبدیل کرنا ہو گا تب کہیں جا کر ہمیں حقیقی آزادی ملے گی بصورت دیگر ہم ان خود ساختہ قوانین کی زنجیروں میں اسی طرح جکڑے رہیں گے۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷ ۲۴۲۶۱۲۸

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

فیکس نمبر:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

مقتدر علماء نے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی!

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو انگریزی روزنامہ نیشن کی 14 اگست کی اشاعت میں شائع ہوا ہے' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ برصغیر کے مقتدر علماء کی اکثریت نے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع کے سوا' سب مقتدر علماء نے قیام پاکستان کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ ان میں دیو بند کے ناظم مولانا حسین احمد مدنی' سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی سمیت سب شامل تھے۔

ان میں سے صرف ایک مشہور عالم دین سید عطاء اللہ شاہ بخاری جو بڑے شعلہ بیاں مقرر تھے' نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ سید صاحب جماعت احرار کے سرکردہ لیڈر تھے' ان کی جماعت احرار نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا۔ جس میں ان ستر ہزار علماء کے اسمائے گرامی تھے جو قیام پاکستان کے مخالف تھے' سید صاحب نے لاہور کے موچی گیٹ کے میدان میں 1955ء میں ایک عظیم الشان جلسے میں اعلان کیا کہ انہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کر کے سخت سیاسی غلطی کی تھی جس کے لئے وہ قوم سے معافی کے طلب گار ہیں۔

انہوں نے تسلیم کیا کہ قائداعظم' علماء کی نسبت' ہندو ذہنیت کو اچھی طرح پہچان گئے تھے۔

تسبیح والی حکمران عورتیں

ہماری دو دفعہ کی وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ نے جب جنرل ضیاء الحق کے خلاف تحریک چلائی تو انہوں نے ہاتھ میں تسبیح پکڑ لی۔ اور ہر تقریب میں ان کی تسبیح کو خاص طور پر دکھایا جاتا تھا۔ اب یہ تسبیح ہمارے دو بار کے وزیراعظم صاحب کی بیگم کلثوم نواز صاحبہ نے پکڑ لی ہے اور ہر تقریب میں ان کی تسبیح کو نمایاں طور پر دکھایا جا رہا ہے۔

اس طرح تسبیح دکھانے کا مقصد' عوام کو بے وقوف بنانا ہے کہ وہ بڑی پارسا عورتیں ہیں۔ ان کی پارسائی کا مقابلہ اگر اسرائیل کی ایک خاتون وزیراعظم گولڈ امیئر سے کیا جائے' تو ان کی پارسائی کا بھرم کھل جاتا ہے۔ میئر صاحبہ جب اسرائیل کی وزیراعظم تھیں تو صرف دو کمروں کے مکان میں رہتی تھیں۔ ایک دفعہ' امریکی سفیر انہیں گھر پر ملنے گیا تو اس کے عملے کو گھر سے باہر ٹھہرنا پڑا۔ اس نے انہیں مشورہ دیا کہ کسی بڑے مکان میں منتقل ہو جائیں' اس پر گولڈا میئر نے کہا کہ وہ اپنے پیغمبر (حضرت موسیٰؑ) کے مکان سے بڑے مکان میں کیسے رہ سکتی ہیں۔ وہ بھی تو دو کمروں کے مکان میں رہتے تھے!

اس کے برعکس ہماری ان تسبیح والی حکمران عورتوں کی سرکاری اور ذاتی رہائش گاہیں' سینکڑوں کنال اراضی پر مشتمل ہیں' ایک رپورٹ کے مطابق یہ اراضی دس ہزار خاندانوں کو چھت مہیا کر سکتی ہیں۔ ہمارے نبی آخرالزمان ﷺ بھی تو دو کمروں کے مکان میں رہتے تھے۔ کیا کبھی کسی حکمران نے ان کی اس سنت کو اپنانے کی کوشش کی ہے!

ہمارے سیاسی لیڈروں کا جذبہ حب الوطنی

اگست کے آخری دنوں میں دولت مشترکہ کے سیکرٹری مسٹر میکنن نے پاکستان کا دورہ' یہ معلوم کرنے کے لئے کیا کہ فوجی حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد' بحالی جمہوریت کی طرف کس حد تک پیش رفت کی ہے۔ انہوں نے یہاں کے سیاسی لیڈروں کو ملاقات کا عندیہ دیا تو ملک عزیز کے مختلف کونوں سے سیاستدان' دھڑا دھڑ اسلام آباد پہنچنے شروع ہو گئے۔

انہی دنوں برطانیہ کے مشہور نشریاتی ادارے نے ایک سپیشل رپورٹ شائع کی۔ جس کے مطابق پاکستان کے بددیانت لوگوں نے ملک سے ایک کھرب ڈالر یورپ کے مختلف بینکوں کو منتقل کئے' رپورٹ میں کہا گیا کہ اگر اس رقم کا آدھا حصہ بھی پاکستان لایا جا سکے تو پاکستان اپنے تمام غیر ملکی قرضے ادا کر کے مالیاتی طور پر اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ سیکرٹری صاحب سے ملاقات کے وقت کسی سیاستدان نے یہ مطالبہ نہ کیا کہ برطانوی حکومت' غریب عوام کی لوٹی ہوئی اس رقم کی واپسی میں مدد دے۔ اس کی بجائے انہوں نے سیکرٹری صاحب کو بتایا کہ موجودہ حکومت جمہوریت بحال کرنے میں مخلص نہیں' اس لئے اسے مجبور کیا جائے۔ کہ وہ جلد از جلد جمہوریت بحال کرے۔

یہ ہے ہمارے سیاستدانوں کا جذبہ حب الوطنی۔ اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہ غیر ملکی حکمرانوں کو اپنا حاکم اعلیٰ تصور کرتے ہیں۔

دینی مدارس میں تعلیم دینے کا طریقہ

اس بارے میں روزنامہ پاکستان کی 28 اگست کی اشاعت کی یہ خبر ملاحظہ ہو۔

"(نمائندہ خصوصی) کلور کوٹ کے نواحی قصبہ حافظ آباد (چاندنی چوک) کے مدرسہ میں ٹارچر سیل پکڑا گیا۔ انتظامیہ نے صحافیوں کی موجودگی میں دو کمسن طالب علموں کے پاؤں میں پہنائی گئی بھاری بھر کم زنجیریں اور بیڑیاں کٹوا کر انہیں آزاد کرایا۔ ناظم مدرسہ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے وقتی طور پر موقع سے فرار ہو گیا۔ واقعات کے مطابق گزشتہ روز مدرسہ تجوید القرآن (چاندنی چوک) سے پابہ زنجیر دو معصوم طالب علم کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر آر ایم کلور کوٹ کے دفتر پہنچ گئے جہاں ان بچوں کا بیان لیا گیا ان بچوں کے بیان کی روشنی میں مقامی پولیس نے فوری طور پر مدرسہ میں چھاپہ مارا' لیکن مزید کچھ برآمد نہ ہو سکا' کیونکہ بچوں کے فرار کی اطلاع ملتے ہی مدرسہ والے فرار ہو چکے تھے۔ قیدی طالب علموں میں 13 سالہ مدثر ولد فیض محمد ساکن جھانبرہ' ضلع میانوالی جس کے پاؤں میں تقریباً 20 کلو وزنی اور 20 فٹ لمبی بھاری بھر کم زنجیر ڈالی گئی تھی۔ جبکہ دوسرا 8 سالہ محمد واثر ولد غلام نبی ذات ارائیں ساکن چک نمبر 3-4/ML ضلع میانوالی کا رہنے والا ہے۔ 18 کلو وزنی اور 15 فٹ لمبی زنجیر میں جکڑ کر عقوبت خانے میں رکھا ہوا تھا' چودھری محمد اسلم آر ایم کلور کوٹ کے حکم پر دونوں معصوم قیدیوں کو بیڑیاں کٹوانے کی غرض سے جنرل بس سٹینڈ کے ایک مستری کی دکان پر لایا گیا تو وہاں لوگوں کا جم غفیر لگ گیا۔ بیڑیاں کٹنے کا منظر اور بچوں کی حالت زار دیکھ کر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ قاری فتح خان پر لعن طعن کرنے لگے۔ طالب علموں نے لوگوں کو بتایا کہ مدرسہ میں ان پر نہ صرف ہر قسم کا تشدد کیا جاتا ہے' بلکہ وہاں اور بھی کئی قسم کے غیر قانونی دھندے چلتے ہیں۔ وہ گزشتہ دو ماہ سے قاری کی ظالمانہ قید میں تھے' دوسرے طالب علم نے روتے ہوئے بتایا کہ میرا جرم یہ ہے کہ میں سرکاری سکول میں پڑھنا چاہتا ہوں' لیکن قاری فتح خان نے میرے والدین کو نہ جانے کیا چکر دیا کہ مجھے دو ماہ سے یہاں قید کر دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قاری فتح خان ضلعی بیت المال کا ممبر برائے تحصیل کلور کوٹ ہے۔ عوام الناس کی رائے کے مطابق قاری فتح

خان نے مدرسہ تو صرف اپنی نیک نامی کے لئے بنایا ہوا ہے ورنہ موصوف کے اور کئی بزنس بھی ہیں۔ یہ شخص 63/64ء میں لائیو سٹاک فارم رکھ غلاماں کی مسجد میں -/250 روپے ماہوار پر امام کی ملازمت کرتا تھا' لیکن آج نہ صرف بے شمار زرعی جائیداد اور کئی گاڑیوں کا مالک ہے' بلکہ مقامی پولیس میں کافی مقبول ہے' جبکہ موقع پر موجود ایک شخص نے بتایا کہ مذکورہ شخص لاکھوں کا مالک ہے اور رقم منافع پر دینے میں کافی مشہور ہے۔ کلورکوٹ کے مختلف سماجی اور رفاہی حلقوں نے گورنر پنجاب اور متعلقہ حکام سے فوری کارروائی کا مطالبہ کیا ہے"۔

اس خبر کو شائع ہوئے پندرہ دن ہو چکے ہیں' لیکن کسی دینی مدرسے کے مہتمم نے اس کی مذمت نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے دینی تعلیم دینے کا مناسب طریقہ سمجھتے ہیں۔

بندوق کے زور پر امامت حاصل کرنا

اسلام میں کسی عہدے کے لئے خواہش کرنے کو پسندیدہ خیال نہیں کیا جاتا۔ حکومت سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ مختلف عہدوں کے لئے لائق افراد پر نظر رکھے اور انہیں عہدے پیش کرے۔ مساجد کے ائمہ کے بارے میں یہ دستور رہا ہے کہ اہل محلہ کے باہمی مشورہ سے اس کا انتخاب ہو لیکن اب ہمارے علماء بندوق کی گولی کے زور پر مساجد کی امامت حاصل کرتے ہیں اس بارے میں روزنامہ جنگ کی 13 اگست کی یہ خبر ملاحظہ ہو۔

"لاہور (خصوصی رپورٹر) اچھرہ کے علاقے میں محکمہ اوقاف کی ایک مسجد کے تبدیل ہونے والے خطیب نے چارج چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانے سے انکار کر دیا۔ گزشتہ روز متذکرہ خطیب نے اپنی جگہ تبدیل ہو کر چارج لینے کے لئے آنے والے خطیب اور اس کے ساتھیوں کو ہوائی فائرنگ اور پتھراؤ کر کے بھگا دیا۔ اطلاع ملنے پر پولیس موقع پر پہنچ گئی"۔

یہ خبر کوئی نئی نہیں ہے اس قسم کی خبریں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں' دکھ اس بات کا ہے کہ کبھی بھی کسی مشہور عالم دین نے ایسے حضرات کی مذمت نہیں کی۔

خدمت اسلام کا نادر طریقہ "بلا تبصرہ"

"کراچی (بیورو رپورٹ) کورنگی کے علاقے سیکٹر 33 سی میں واقع جامع مسجد محمدی پر قبضے کے تنازع پر دو گروپوں کے درمیان پانچ روز سے کشیدگی چل رہی تھی۔ ایک مذہبی گروپ کے افراد نے مسجد کے قریب بنی ہوئی افتتاحی تختیوں پر رنگ پھینک دیا جس کے بعد دونوں گروپوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ گزشتہ شب مخالف گروپ کے درجنوں افراد نے اچانک علاقے پر حملہ کر دیا اور افتتاحی تختیوں کو توڑنے کے بعد ان کے اوپر لگے ہوئے مخالف گروپ کے جھنڈوں کو نذر آتش کر دیا جس کے بعد دونوں گروپوں کے درمیان تصادم شروع ہو گیا اور انہوں نے ایک دوسرے پر پتھراؤ کیا۔ علاقے کے لوگوں کے مطابق حملہ آوروں نے اچانک مسجد پر پتھراؤ شروع کر دیا اور مسجد میں گھس کر اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اس دوران حملہ آوروں کے ساتھیوں نے مسجد کے گیٹ کے باہر ٹائر رکھ کر آگ لگا دی جس پر دوسرے گروپ کے نوجوان بھی مسلح ہو کر نکل آئے۔ پولیس کے مطابق دونوں گروپوں میں ہنگامہ آرائی کے دوران پولیس نے جب علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو مشتعل افراد نے پولیس موبائلوں پر پتھراؤ کیا۔ جس کے بعد پولیس اہلکار واپس لوٹ گئے اور بکتر بند گاڑیوں میں آنسو گیس شیل کے ہمراہ پہنچ کر شیلنگ کر کے تصادم کو رکوا کر علاقے سے درجنوں افراد کو حراست میں لے لیا"۔

(روزنامہ پاکستان 2 ستمبر 2000ء)

نقد و نظر

نام کتاب	:-	مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی
مولف	:-	محمد اشرف ظفر
سٹاکسٹ	:-	مکتبہ اخوت 'الکریم مارکیٹ' سیکنڈ فلور' اردو بازار' لاہور
مبصر	:-	عاطف طفیل
صفحات	:-	685
قیمت	:-	400 روپے

محمد اشرف ظفر صاحب کی تالیف **"مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی"** فرقہ بندی کے موضوع پر دائرۃ المعارف ہے۔ یہ کتاب انیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس قابل قدر تالیف میں ان تمام موضوعات پر مستند حوالہ جات کے ساتھ سیر حاصل گفتگو موجود ہے جو تعمیر پاکستان اور تعمیر ملت اسلامیہ کے لئے اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب فکری مغالطے رفع کرتی ہے اور بیدار مغزی کا باعث بنتی ہے۔

اس کے مطالعہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ فرقہ بندی مذہبی ہو یا سیاسی اس کا سبب ہمیشہ انفرادی مفاد پرستیاں ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو سماج میں ناقابل ذکر ہوتے ہیں' وہ قابل ذکر بننے کے لئے معاشرے کی اکائی کو منقسم کرتے ہیں اور یوں اپنی ذاتی اہمیت اجاگر کرتے ہیں۔

یہ ساری کتاب حوالہ جات سے بھری پڑی ہے اور اسے پڑھنے کے بعد ذہن کے سارے جالے صاف ہو جاتے ہیں اور قاری کا دل و دماغ سراج منیر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دریا کو کوزے میں بند کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ فاضل مولف کے ہاتھ میں نور قرآن ہے جس سے وہ ہماری سیاسی و مذہبی تاریخ کی تاریک راہوں کو منور کرتے چلے جاتے ہیں اور ہمیں ایسا زاویہ نگاہ عطا کرتے ہیں جس کو اپنانے کے بعد ہم دریوزہ گر پاکستان کو اقوام عالم کی امامت کے منصب پر فائز کرنے کے اہل ہو سکیں۔ یہ کتاب ادارہ طلوع اسلام سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المراسلات

جناب مدیر ادارہ "طلوع اسلام"

السلام علیکم !

ایک بزرگ نے 1979ء' 1980ء اور 1985ء کے کچھ شمارے شکاگو سے ارسال کیئے۔ ان کا کاغذ' چھپائی اور ٹائٹل اچھے لگے۔ شاید گرانی کی وجہ سے اب دشوار ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رسالے کا ارتقاء ہو اور قارئین موجودہ سٹائل کو پسند فرماتے ہوں۔

اصل گزارش یہ ہے کہ مفہوم آیات کے بارے میں دو مقامات پر غور فرمایئے۔

1- آیت 4:159 کا درست مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے :

"اور اہل کتاب پر لازم ہے کہ اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ٹھیک ٹھیک ایمان لے آئیں"۔ یعنی وہ اللہ کے پیغمبر تھے نہ کہ فرزند۔ گرامر کے اعتبار سے اس آیت کے یہ معنی بہتر ہیں اور بہت سی Confusion سے بچا لیتے ہیں۔ مصحف مدینہ میں صفحہ 268 پر یہی مفہوم لکھا گیا ہے ہر چند کہ کئی مقامات پر ان کے ترجمے سے میں مطمئن نہیں ہوں۔

2- آیت 2:223 "تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں' جب چاہو ان میں جاؤ"۔ یہ ترجمہ عام ہونے کے باوجود محل نظر ہے۔

درحقیقت اس آیت کا مفہوم یوں بنتا ہے۔

"(اے لوگو !) تمہارے معاشرے کی خواتین اسی طرح تمہارے مستقبل اور نسل نو کی امین ہیں جس طرح کھیتی فصل کی امین ہوتی ہے۔ لہٰذا جب بھی خواتین سے سماجی رابطہ ہو ان کا یہ اعلیٰ منصب ذہن میں رہے۔ **وقد موا لانفسکم** ۔ یعنی صرف آج کی نہ سوچا کرو فکر فردا بھی کیا کرو"۔

ماں کیا ہے؟ سیرتِ اقوام را صورت گر است

ان گزارشات کو شائع فرما دیں تو بڑی نوازش ہو گی۔ صاحبان علم کی رائے شاید میسر آجائے۔ قرآن کریم کے محترم شائقین کو سلام پہنچے۔

ڈاکٹر شبیر احمد' فلوریڈا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ACTIONS DEPEND UPON INTENTIONS

By

Hamid Mian, MD (New York)

According to James Jeans, (Renown Cosmologist): every physical action of our body makes an impact on the galaxies.

As we know, actions are derived from intention! Every intention/desire makes a great impact on ourselves. Intentions can be good or bad, which make the self integrated or disintegrated therefore the integrated self will survive hereafter.

All our physical acts transform into good or bad outcomes. Therefore these outcomes in reality are the rewards or punishments in this life.

Example: Stealing is a physical act; the punishment in jail is the result. Therefore physical damage occurs to the physical body, but the intention of stealing is unseen/non-physical phenomena. As a result, this intention definitely brings an effect on one's self which disintegrates and weakens the self. Resulting in retardation of self.

"Psychological perplexities develop when the self lags behind physical growth".

As we know there is no such law in our world that can be applied to our intentions as punishment or reward —only Allah's Law.

"Raise yourself to such a point where each destiny of yours be fulfilled by your own deeds according to Allah's Law"

"A life of heaven or of hell is the outcome of one's own actions"

Brother and Sisters. we have to be very careful about what kind of thought we intend, because that's where an action starts and self grows.

****

Now, there is strong evidence emerging that not different periods of Age which are causing so much suffering; if we care enough in a balanced way about our life as a WHOLE, then body and mind can work in an efficient way. (Khalsa 1997, Chopra 1993, Golden 1994) and mind, brain and body can work well uptill the age of more than 90 years. (Golden 1994).

So in conclusion, I want to emphasize that much deeper, long term and objective researches are needed by psychiatry and medicine in the area of age, aging and mental sickness. Still Western psychiatry is biased and Pakistani Psychiatry is even more strongly biased and more coloured with so many local cultural as well as irrational Western influences, which are deeply rooted. Pakistani psychiatry is highly drug and shock oriented as well as reductionist and dehumanizing. (Ahmed 1996, Abbasi 1996, 1996, Fakhri 1993). It is so sad that even the clinical psychology of Pakistan promotes irrational drugging and is shock oriented. Such trends are still going on in the 21st century inspite of numerous researches proving the failure of such approaches. (Breggin 1989, 1994, 1994, 1997, Breeding 1999, 2000, Colbert 1995, 1998, Capra 1982, 1988, Cohen 1990, 1994, 2000).

So, it is not the age variable, which is the main human problem but it is the denial of real causes in the covering up of mysterious and vague concepts like "Age and Aging" etc. All periods of human life are equally beautiful, sacred and respectful and should be dealt with care, like our Holy Prophet (P.B.U.H.) dealth with. He loved children, youth, adults as well as aged and once taught so beautifully, "To honor an old man is showing respect to God." (Al-Suhurwardy 1941).

So, it is not "Age" as a causative factor that is killing us but it is our "INHUMANITY" which is killing us, decaying us and frustrating us says the great psychologist, Dr. Leshan. So, we should divert and focus our researches not into so called age variables but into finding more true causes or truth about our human miseries and inhumaness, locally and globally. We should also search about better alternatives, which should be humanistic and human serving not dehumanizing and anti-humanistic. I further conclude that specific and non specific psychiatric symptoms, which appear at different periods and phases of life are not just caused due to age variables but are caused by other factors. I further strongly plead to my dearest doctors, psychiatrists, clinical psychiatrists and educated public of Pakistan that SYMPTOMS are not the causes. We should search for true causes and do our best to remove them but should not blame the age as this will not solve our problems. This will just divert our attention to other pseudo causes and this is one of the forms of mechanism of escapism.

"Age and Mental health" is heavily coloured by cultural views. For example, so many diseases and illnesses which are co-related with "old age" are not only due to "old age" but researchers are finding that they are due to lifelong unhealthy eating habits, lack of exercise, stress, unhealthy air and water, lack of cleanliness and hygiene, unbalanced nutrition and so on and so forth. (Ornish 1995, Hary & Diamond 1985, Capra 1982, Ledermann 1997). I agree that there are physical and biological causes of illnesses but we should search for the true physical causes; it should not belike searching for the mysterious concept of age variable per se. For example, we Pakistani people are obsessed by the fear of old age inspite of functioning well. The very word "Aging" tends to bring many conditioned emotional responses of fear and its other associations. Doctors and psychologists are convinced that waning of physical strength is linked with the weakening of their total personality, their emotional and intellectual powers. This idea is hardly more than a superstition, which persists inspite of the overwhelming evidence to the contrary (Fromm 1975). Dr. Fromm analyses this further as, *"It is fostered, in our culture, by the emphasis on SO CALLED YOUTH QUALITIES, like quickness, adaptability and physical vigor, which are qualities needed in a world primarily oriented to success in competition rather than to the development of one's character (personality). But many examples show that the person who lives productively BEFORE he is old by no means DETERIORATES; on the CONTRARY, the mental and emotional qualities he developed in the process of productive living continues to grow although physical vigor wanes," (Fromm 1975).*

This is a fact of life observed so clearly by Dr. Fromm about the deterioration of personality which is confirmed by my own twelve years of clinical work with psychiatric and medical patients and is very true about our Pakistani society as a whole. In the context of fifty years of Pakistani social order, an average Pakistani person is predominantly non-creative and non-productive, which are among the unconscious major causes of fear of old age. Furthermore, clinical psychology and particularly psychiatry of Pakistan is also relatively non-productive and non-creative. They are profit centered only, they only think about money and are not much concerned about the needs and development of our psychologically disturbed persons.

To elaborate about the problem of the fear of aging, I must further draw my attention towards the conclusions of Dr. Fromm's research, which will be eye opening for all of us, *"The non productive person however indeed deteriorates in his whole personality when his physical vigor, which had been the main spring of his activities dries up. The decay of the personality in the old age is a SYMPTOM: it is the proof of the FAILURE of having lived Non productively. The fear of getting old is an expression of feeling often unconscious of living unproductively." (Fromm 1975).*

here in Pakistan and other developing countries average person dies earlier or prematurely (talking about biological age). That is, our limit of maximum age is less than the West. Researchers now hold that average age of a human being should be about 125 yrs (Goldberg 1998). And the other researcher says it should be 140 yrs (Taubi 1985). This breaks the myth about the "Age" concepts and if this is correct, then all our held beliefs and concepts about age variables and other changes we associate with them, will be changing in the very near future but we should be ready to accept these discoveries. It's a sad affair that orthodox psychiatry and clinical psychology of the West in general and of Pakistan in particular is relatively fixed and static. Moreover, Pakistani psychiatry may not accept change due to our lack of research oriented structure and closed mindedness.

There is another angle worth mentioning. We clinicians pay more emphasis on biological or physical age but we pay little attention on emotional or psychological Age development. Our society is highly focused on this trend as well as Pakistani psychiatry overtly and covertly. This is one of the strong reasons that we clinicians can't find emotional as well as psychological causative factors frequently enough while dealing with psychiatric symptoms of a person. Our whole attention diverts almost always towards physical Aging and physical causes. Towards psychological or emotional maturity or development the West still has little practical emphasis which was decades back pointed out by Dr. Fromm and Max Werthimer like thinkers. Fromm studied and observed that average individual (adult) is only biologically grown up but emotionally is still a child (Fromm 1956). Max Werthimer more correctly pointed out that the modern average adult is "a deteriorated child." (Leshan 1974). The most clear cut cause of mental sickness is not "Age" and Aging but every experienced clinician knows that emotional immaturities of different types and forms are determining factors. For example, dependency, destructiveness of self and others, immature thinking processes, negative emotions like depression, low self esteem, inferiority complexes, overwhelming fears and anxieties, alienation to life, disrespectful behaviours, abusing and neglect of various kinds etc. etc. to mention just a few. (Brenden 1969, 1971, 1996, Breggin 1989, 1994, 1997, Buscaglia 1972, Fromm 1956, 1978, Laing 1964, 1967, Peck 1978). Furthermore, wider and broader contexts in which human beings live, play equally major role in the origin, generation and maintenance of health and illness. Inhuman, dehumanizing and reductionist familial, political, socio-economical wider contexts and anti-ecological trends contribute immensely towards mental chaos and disorder. (Breggin 1989, 1992, 1994, Capra 1982, 1988, Fromm 1956, 19, 1978, Grof 1993, Laing 1964, + 1967, Richards 1985).

This is not to conclude that chronological or biological age is not an important factor, but the way the age variable is emphasized, appreciated, accepted and felt by the medicine and psychiatry is strongly culturally biased. Study of relationship of

of our life and health due to so many causes. Predominantly Pakistani society is made up of Muslims belonging to India, therefore, they remained highly influenced for centuries by Hindu superstitious traditions and Indian ways of thinking, feeling and doing and so on. Now, every student of civilization knows that Indian civilization even before Muslim Rule was a dead civilization (Naipaul 1977) and even Hindu or Indian scholars like M.R.C. Dutt admitted this fact ultimately. India, before the occupation by the British, was still touching the dark ages regarding the sociopolitical, economical and scientific developments. Actually, the Hindu civilization had reached its height of development before the Christian Era began under the Gupta Empire. But soon, decay had set in (this sequence is to be studied in the backdrop of the laws of nature, but that is a subject by itself) and between the first and the second centuries A.D. the civilization was knocked out and destroyed by the white Huns. (Shamim June, 2000). Even after British capture and rule over India, India as a whole and Muslims particularly remained extremely backward in all areas of life. Due to these causes they remained undeveloped. Furthermore, according to the deeper analysis and lifelong observation of philosopher Allama Iqbal that all over the world the Muslims in general and their institutions in particular had lost their dynamism and creativity since the last 500 years (Iqbal 1934). Iqbal and other researchers also proved in enough detail that the original dynamic, universal and humanistic world-view of the Muslims were corrupted and influenced by the Hindu as well as other outside influences like mysticism of various types, Christian (pseudo-Christian), Greek, Persian and other irrational and anti-scientific patterns. (Wudood 1976, Goodwin 1994, Iqbal 1934, Parwez 1981, 1981). In my view, basic psychological or mental attitudes regarding thinking, researching, learning, struggling and changing are as fixed as they were 66 years back when the philosopher Iqbal made his observation. On the surface level few seem to be active but at deeper level we, Muslims, of Pakistan and Muslims all over the world are still fixed as well as regressive. (Anwar 1995, 1999, Goddwin 1994, Parwez 1981, 1998, 1999) Furthermore, regarding socio-cultural, political, economical, medical ,and scientific advances as a whole our Pakistani society is far behind than the West. There is no comparison at all. Due to these causes and so many others, the overall context of Pakistani society is in deep crisis, confusion and ignorance. We are accepting so much ape-likely without enough thought. So we will remain in confusion, if we continue this unthinking way of life. Accepting anything without enough research, study and without constructive criticism is a mindless activity (Fromm 1995, Langer 1989) and this will lead Pakistani psychiatry, medicine and society to more chaos. Following mindlessly the West and Western trends should not be our sole criterion but continuous and untiring truth searching should be our primary attitude to see the things objectively, which is true science and living. At the same time, we can learn a lot from the West from its centuries of experience to the extent we need. Again coming back to our same Age dilemma, the average age of a person in West is accepted as 60—80 yrs or so. And

and observation can prove that it is not this age group limit as such the causative factor, because we clinicians observe many times that schizophrenia (symptoms of schizophrenia staying more than six months) also occurs in childhood, preadolescence, adulthood and even in late adulthood age groups. This shows that so much emphasis on chronological or biological Age and Aging as causative notion is not a primary causative factor in such cases. Try to understand this again by another example; some life periods of human life cycle are considered by psychiatry to be more vulnerable to mental stress and illness like childhood age etc., but a deeper analysis and research can reveal that it is due to inhuman and anti-ecological factors which are responsible (Breggin 1989, 1994, Breeding 1993, Capra 1982, 1988, Gordon 1996), but not specific childhood age is the cause. In the childhood age, a child cannot protect himself/herself due to his/her undeveloped and dependent human faculties in the initial form of life; then again, this is not a defect in toto. Rather it is the responsibility of good parents and a good society to provide each and everything for his/her unique development. All such resources of protection and higher development are the birth right and human rights of every child coming in this world. Adult and mature persons (parents) are responsible for bringing a child into this world; the child is not responsible. The parents and society must take their responsibility in the truest sense. Researches of Dr. Breggin and Dr. Breeding, Fromm etc. clearly prove enough that children do not develop any mental sickness or so when protected, nurtured and reared in a healthy atmosphere. West as well as East are still far away from building a good society conducive for the higher or healthy growth and development of the children and youth. It is a fact that even the West is at failure and gradual decay as researched and deeply observed by the thinkers and scientists like Fromm, Breggin, Capra, Jacob Needleman, Grof, Laing and Alkbert Schwietzer etc. to mention just a few here.

So, the Age variable in toto is not the cause of mental disorder. Due to the cultural and socio-economical influences medical science and psychiatry still hold biases that certain youthful stage is good for life and health and other age groups may be injurious for health. For instance, researchers and medical authorities are revealing that while dealing with aged human beings, medical science and psychiatry is biased (Breeding 1999, Breggin 1989, Chopra 1993, John Stone 1989) Also, while dealing with child age group, these sciences are still influenced by culture and are not enough scientific (Breggin 1994, 1994, Breeding 1995). Overall, the Western society and its academic atmosphere is still "Agist" (Breggin 1989, Chopra 1993, John Stone 1989). If after centuries of hard political, economical and scientific efforts the West is in such a frustrating state of affairs then what should we say about the theory and practice of psychiatry and medicine in the context of Pakistani society?

Our Pakistani society also holds numerous such misconceptions and unrealistic notions, as if they are the true causes. We are superstitious in various areas

AGING, HEALTH AND MENTAL ILLNESS

By
Dr. Ali Naseer Abbasi

Can different periods of aging cause mental illness? Confusion and pessimism of psychiatry and medicine: --

Age is a variable, which is considered very important rather essential in psychiatry and medicine. This factor is always considered while dealing with the mental patients and diseases. Overall survey of the psychiatric literature and predominant ways of believing, feeling and practicing reveals that there is much confusion and pessimism hanging on the relationship of AGE and mental health issue. This is due to the researches and outdated academic models, which are highly influenced by the materialism and its offshoot called Biochemical or Biomedical model (Alsiebert 2000, Breggin 1989, Capra 1982, Colbert 1996, 1997).

We admit that human body is subjected to biological laws and ultimately has to decay and die. Nobody denies about the importance of spacio-temporal dimensions like linear order of time and changes. But too much emphasis on Age-variable and other associated pessimistic notions like certain age groups are good for health and others are injurious to health or illness producing, is a myth which is predominantly influenced by the cultural or social conditioning, in which such researches are going on. Science of psychiatry is still very much influenced by the socio-cultural forces and is not truly objective. (Breggin 1989, 1994, 1994, Capra 1982, 1988, Cohan 2000, Colbert 1996, 1997, John Stone 1989). So in studying and dealing with the age variable and health orthodox medical sciences, they are still biased but since last two decades or so emerging new medical science is improving and becoming less pessimistic and more objective (Capra 1982, 1988, Chopra 1990, 1993, Goldberg 1998, Gordon 1996).

There are certain illnesses which appear to be highly related to Age and Aging. For example, most cases of schizophrenia occur in physically healthy young adults (ages 16-25 yrs. Alsiebert 2000). So, from this apparent co-relation some researcher or orthodox psychiatry may reach to the conclusion that this age limit is dangerous or at least vulnerable to psychosis or schizophrenia. A little more thought

The holy Quran has, thus, amply clarified that a Khalifa is a successor in the absence or on the death of his predecessor. Hence, the question of somebody being خلیفة does not arise.

The concept of خلیفة اللہ is the invention of self-interested individuals who wanted to exploit people in the garb of Allah's vicegerency. After the death of the Rasool, when somebody used the word خلیفة اللہ for Hazrat Abu Bakr Siddiq, he repudiated it by saying, "I am خلیفة الرسول successor to the Rasool, not خلیفة اللہ successor to Allah."

Hence the word استخلاف فی الارض, as it occurs in the holy Quran, means to hold reins of power with the purpose of putting into application the divine laws in human affairs.

Thus, to erroneously consider ourselves as خلیفة اللہ and go on making laws contrary to the dictates of the Quran is a most serious crime. The first essential is to establish the sovereignty of Allah in state affairs instead of sovereignty of people. The right to rule belongs to Allah alone.

"No one can be made partner to it."

"No human being has got the right to rule, لا یشرك فی حکمه احدا not even the messenger of Allah. He cannot make people subject to his own laws." (3:79)

As such, the chief Executive of Pakistan is requested to have a second look before incorporating the Islamic clauses in the Provisional constitution order, so as to eliminate all that goes against the Book of Allah.

When the news regarding the revival of the Islamic clauses of the 1973 Constitution appeared, most of the newspapers tried to explain the motives of the Government behind it. But as far as we are concerned, our aim is to bring the Islamic clauses exactly in conformity with the injunctions, laws and permanent values of the Quran.

****

Tolu-e-Islam is not just a Journal.
It is a movement for spreading
Quranic knowledge.

It pointed towards the creation of a successor to the preceding pre-human generations that lived on the earth before mankind.

Moreover, in order to clarify the point that man is not successor of Allah, we shall have to clarify the meaning of the word Khalifa. There are three basic concepts in the meaning of the words with the root خ ل ف (a) to succeed (b) to follow (c) to undergo change. The holy Quran is self-explanatory. It says:

(25:62) و هو الذی جعل الیل والنهار خلفته

"And it is He Who made the night and the day خلفة to follow each other."

Again it is said:

(2:164) ..... و اختلاف الیل و النهار

"Day and night coming one after the other."

'B' can become the Khalifa of 'A' only in his absence. 'A' may be dead or alive but 'B' cannot take his place as Khalifa in his presence. The following verses of the Quran support it:

Before Moses went up on the mount for communion with his Allah, he said to his brother Haroon: (7:142) .....اخلفنی فی قومی.....

"You shall succeed me amongst my people (in my absence)."

At yet another, place, it is said:

(10:14) ثم جعلنکم خلٰئف فی الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون O

"Then We made you successors in the land after them, to see how you would behave."

Hood said to his people:

(11:57) ..... و یستخلف ربی قوما غیرکم .....

"(If you turn away from the divine guidance), my Lord will make another people to succeed you."

About the people of Aad it is said:

(7:69) ..... اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح .....

"In that He made you successors after the people of Noah."

The Preamble.

The Preamble of the Pakistan's Constitution is also being incorporated in the Provisional Constitution Order, which runs as follows:

"Where as sovereignty of the entire universe belongs to Allah Almighty and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust."

As a matter of fact, there is no trace of the Sovereignty of Allah in practice. Why? Because a false concept of delegation of power has been introduced in this country. The difference between an Islamic state and a secular state is that in an Islamic state affairs are conducted within limits laid down by the Quran. Nobody has the right to transgress the limits. In other words, the right to rule belongs to Allah alone. (12:40). Nor does he share His command with anyone (18:20) Not even the messengers of Allah have got the right to make people subservient to their own laws (3:78). So what is happening in actual practice, is that the authority is exercised by the people and not by the Divine laws. In practice, the people exercise their own sovereignty and are living entirely a secular life. Now the question arises, why this contradiction has occurred? The basic cause of the contradiction is the delegation of Allah's power to the people at large.

Moreover, the concept of delegation of sovereignty of Allah to man is absolutely false from the Quranic point of view. Delegation of power one person to another means that the latter gains absolute control of power for a certain period and that the exercise of this power by the former becomes suspended in the meantime. Secondly, the occasion for the delegation of power by a certain authority arises when that authority itself is not present at the place where the power is to be exercised. But, Allah is Omnipresent. The question of His being not present, at any time or anywhere does not arise. Allah does not delegate his sovereignty to anyone, not even to the messengers of Allah who themselves are subservient to His laws.

Now let us see the argument produced by Mullas in particular in support of this false concept of delegation of Allah's sovereignty. They consider man as خلیفة الله and erroneously translate it as vicegerent of Allah which means that he exercises delegated powers of Allah. As a matter of fact, there is not a single instance in the holy Quran where man is described as خلیفة لله successor of Allah. He is rather described as خلیفة فی الارض. When Allah addressed the angels and said:-

انی جاعل فی الارض خلیفة (2:30)

"I will create a 'Khalifa' on the earth."

"Those who create differences in 'Din' (the way of life prescribed by Allah) and divide themselves into sects (O Messenger of Allah!) you have nothing to do with them. Leave their affairs for the law of Allah to decide. That will tell them how they acted."

Again it is said:

فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون O فذرهم فى غمرتهم حتى حين O (23:53-54)

"But rather than preserve their unity, people split themselves into factions. Each group rejoices in what it adheres to. You had letter leave them in ignorance for a while."

Again it is said:

منيبين اليه واتقوه و اقيموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين O من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون O (30:31-32)

"Turn unto Him (and Him alone) and be afraid (of the consequences of turning away from His laws); establish 'Salaat' (i.e. the social order based on His guidance) and be not among those who follow laws other than His and thus set up peers to God, be not of those who create cleavage in their social order and resolve themselves into various sects where each sect is obsessed with its own view of it."

Again it is said:

و اتيناهم بينت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاء هم العلم بغيا بينهم ان ربک يقضى بينهم يوم القيمته فيما كانوا فيه يختلفون O (45:17)

"And We gave them a clear code of life. It was only after the knowledge had come to them that they fell into schisms through mutual envy. Verily thy Rabb will judge between them on the Day of Judgement in respect of that in which they differed."

The Quran has openly declared—

(O you who believe) Hold fast, all of you together, to the cable of Allah (i.e. the way which He has prescribed for you and be not divided among your selves. (3:102)

The hurdles in the way of the unity of mankind can be removed by following the code of life revealed by the Creator of the Universe which ensures the security and development of the human society. The code of life today lies safely preserved in the holy Quran only.

FOR THE KIND ATTENTION OF THE CHIEF EXECUTIVE OF PAKISTAN

By
Dr. Syed Abdul Wadud

The Musharraf government has decided to amend the Provisional Constitution Order, in order to incorporate in it the Islamic clauses of the 1973 Constitution, otherwise held in abeyance. Accordingly, Articles 227 to 231 pertaining to Islam are included in it.

Let me quote herewith the Article 227 which reads as follows:

Provisions related to HOLY QURAN and SUNNAH—

All existing laws shall be brought into conformity with the injunctions of Islam as laid down in the holy Quran and Sunnah, in this part referred to as the injunctions of Islam and no law shall be enacted which is repugnant to such injunctions.

EXPLANATION:-- In the application of this clause, the personal law of any Muslim Sect, the expression "Quran and Sunnah" shall mean the 'Quran and Sunnah' as interpreted by that sect.

May I bring to the notice of the Chief Executive of Pakistan that the above-said article itself falsifies the very object of Islamisation of Laws. If the promulgators of this article in the year 1973 had thought over the Quran with an open mind, surely they would have rejected rather than promulgating it.

The holy Quran is deadly against the division of Muslim Umma into sects.

Thus it is said: ان الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا لست منهم فى شىء انما امرهم الى الله ثم ينبئهم بما كانوا يفعلون O (6:160)